رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۷

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

تاریخہائے اشاعت ۱-۷-۱۴-۲۱-۲۸

شرح قیمت جو ہر حال میں پیشگی لی جائیگی

(۱) عوام سے	(ع۳)
(۲) خواص سے	(عـہ)
(۳) ہندوستان سے باہر	(اسے)
(۴) غیر مذاہب اور غیر مستطیع احباب سے	(اسے ۱ ار)

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی

الحکم

چہ گویم با تو گر آئی بدار قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی
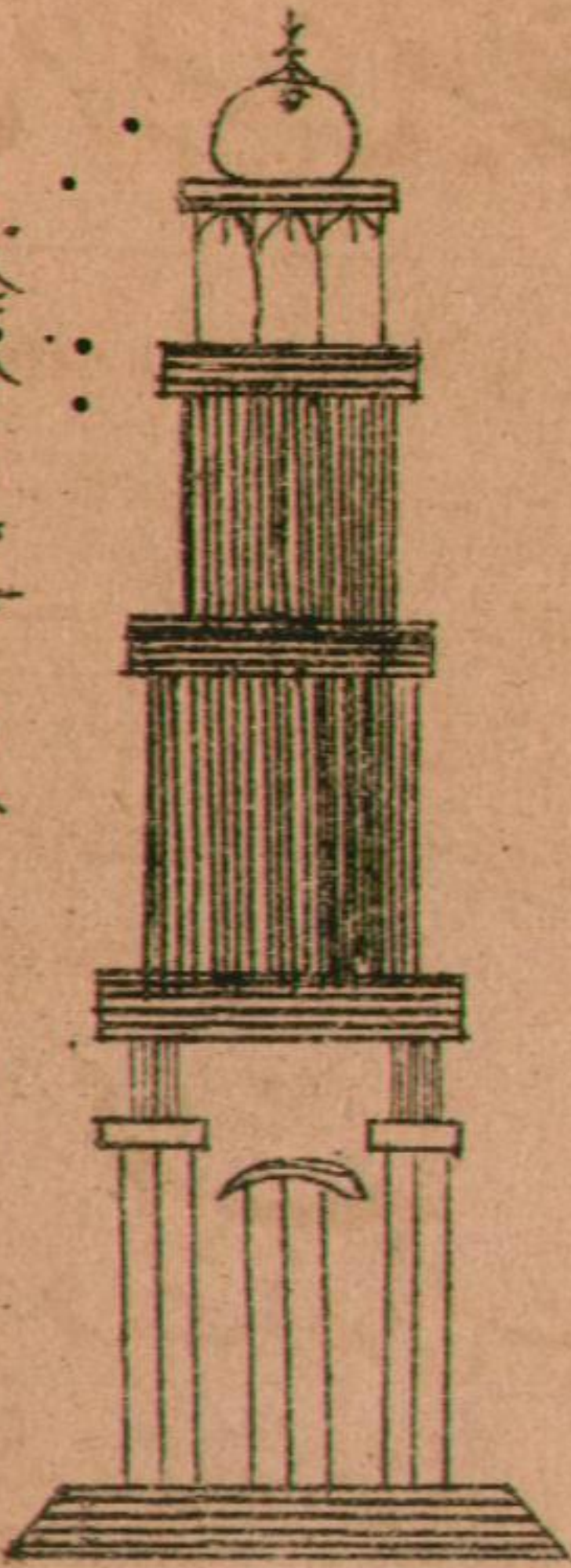
نمبر ۷ — قادیان دار الامان ۲۱- فروری ۱۹۰۹ء مطابق ۲۹ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ — جلد ۱۳

ترجمۃ القرآن

اے بیخبر بخدمت قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

قرآن مجید کے مطالب اور معانی کو آسان طور پر سمجھانے کے لئے یہ ترجمۃ القرآن کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ اور یہ التزام کیا گیا ہے۔ کہ ہر مہینے کم از کم ایک پارہ ضرور شائع ہو جاوے متن کے نیچے سلیس اردو ترجمہ دیا ہے اور ترجمہ ایسا معنی خیز ہے کہ معمولی اردو خوان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ حاشیہ میں تفسیری نوٹ ہیں۔ جس سے قرآن مجید کی عظمت اور دلائل نبوت کو پیش کرنا مقصود رکھا گیا ہے حقائق و معارف قرآنی کو ایسے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ موجودہ زمانہ کے فلسفی اور سائنسدان بھی مزا اٹھائیں۔ ترجمہ اور نوٹوں میں حضرت خلیفۃ المسیح کے درس قرآن مجید اور حضرت مسیح موعود کی تصانیف کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس وقت تین پارے شائع ہو چکے ہیں قیمت ہر سہ (تین روپیہ) تفسیر سورۃ بقرہ مکمل تین روپیہ چار آنہ

تصوف اور معرفت کا خزانہ اور حقائق کا گنجینہ

یعنی

مکتوبات احمدیہ جلد اول

حضرت حجۃ اللہ جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چھبیس سال پیشتر عجیب و غریب مکتوبات کا مجموعہ جو نہایت محنت اور کوشش سے جمع کر کے چھاپے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات بڑے بڑے عظیم الشان مسائل تصوف کا حل اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک سیرۃ کے اسرار کے امین ہیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی ان کو پڑھے اور گرویدہ نہ ہو جائے۔ یہ مجموعہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اور موتیوں کے برابر تولنے میں بھی سستا ہے۔ بااین قیمت صرف ۸ر فی جلد

دوسری جلد میں حضرت خلیفۃ المسیح کے مکتوبات طبع ہونگے۔ اور الحمد للہ میرے پاس وہ سامان جمع ہے

پتہ — تمام درخواستیں یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم کے نام آنی چاہئیں

الانوار المصریہ سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی مالک و ایڈیٹر کے چھپکر شائع ہوا

خلق عظیم۔ اُن کے حالات اور روحانی و اخلاقی کمالات پر آگاہ ہونے کا سوائے حدیث شریف کے اور کوئی ذریعہ نہیں اور وہ اسوہ حسنہ۔ جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔ لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ہماری ہادی و رہنما نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہم حدیث شریف سے واقف نہ ہوں۔ قرآن شریف سے ہمیں پاکیزہ اور مستحکم اصول کی تعلیم ہوتی ہے اور حدیث شریف سے ان کا زندہ نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ جب تک یہ دونوں چیزیں باہم جمع نہ ہوں تکمیل الاخلاق ناممکن اور محال ہے یہی وہ امر ہے۔ جس کی طرف اسلام کا پہلا اصول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اشارہ کرتا ہے۔

علاوہ اُن برکات روحانیہ کے جو حدیث شریف کی تعلیم و تعلم سے ایک پاکباز انسان کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ حدیث بذاتِ خود ایک ایسا علم ہے۔ جس پر مسلمان جسقدر فخر کریں۔ بجا ہے دُنیا کی اور تاریخوں اور ہسٹریوں کا دار و مدار زیادہ تر ایک شخص کی سند اور روائت پر اعتبار کرنے پر انحصار ہے۔ کہ ایک مورخ لکھتا ہے کہ فلاں بات اُس زمانے میں تھی۔ مگر یہ بہت کم بیان کیا جاتا ہے کہ اُسے اس علم کے کیا ذرائع اور وسائل حاصل تھے اس کے برخلاف حدیث میں اس قدر تحقیق و تدقیق سے کام لیا گیا ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔ اول تو کوئی ایسی حدیث معتبر اور صحیح نہیں سمجھی گئی۔ جس کا پورا رفع رسول کریم صلعم تک نہ ہو۔ پھر اس رفع کے ذرائع اور وسائل سے متعلق جو اصول وضع کئے ہیں۔ اُن میں کمال کر دیا ہے۔ ایک شاگرد جو کسی اُستاد سے ایک حدیث روائت کرتا ہے۔ تو اس سے متعلق یہ بحث ہے۔ کہ یہ کتنا عرصہ رہا۔ کس عمر میں کس خیال میں رہا۔ اگر کوئی دوسرا آدمی اُستاد کا شاگرد روائت کرتا ہے۔ پھر اُن کا آپس میں عجب طرح سے مقابلہ کیا ہے۔ یعنی ایک کس وقت۔ کس عمر میں اور حالت میں دوسرے اُستاد کے پاس رہا اور دوسرا کس حالت۔ کس وقت وغیرہ میں۔ الغرض اس کے متعلق ایسی چھان بین کی ہے۔ جس کی نظیر کسی اور علم میں ملنی مشکل ہے۔

اسماء الرجال کی تحقیقات۔ مختلف عالموں سے حدیث کی اقسام۔ موضوع و غیر موضوع کی شناخت کے قواعد۔ تناقض و تعارض رفع کرنے کے اصول۔ وغیرہ وغیرہ ایسے اصول امور ہیں۔ جنہوں نے علم حدیث کو تمام علم سے اعلیٰ و ارفع بنا دیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اگر حدیثیں موضوع پائی جاتی ہیں۔ لیکن اُنہی اصول کے ماتحت ہیں۔ جو محققین حدیث نے وضع کئے ہیں۔ نیز کثرت وضع کی زیادہ تر وجہ یہ ہے۔ کہ اُس وقت بہت سے ایسے آدمی جو نہ صرف مسلمان ہی نہ تھے۔ بلکہ اسلام کے دشمن تھے۔ شامل ہو گئے۔ اور ان کے طفیل ایسی روایات درج ہو گئیں جو واقعی غلط اور بے معنی تھیں۔ مگر ان اصول صحیحہ نے حتی الامکان ان تمام خدشوں کو مٹا دیا ہے۔

علاوہ ان قواعد و ضوابط کے جو ایک حدیث کو موضوع اور غیر صحیح حدیث سے پرکھنے اور امتیاز دینے کے لئے مقرر ہیں میرے خیال میں ایک خاص طریق آتا ہے۔ جو شاید اُن کی نسبت زیادہ آسان اور عام اردو خوان لوگوں کے لئے مفید تر ہونے کے علاوہ ایک خاص دلچسپی اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہو ہذا:۔

حدیث شریف کے پورے اور مکمل طور پر قابلِ اعتبار ہونے کے برخلاف مندرجہ ذیل امور خاص ہو سکتے ہیں۔

(۱) علم حدیث کا ایک عرصہ دراز بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیب تدوین و تدریس پانا۔

کیونکہ قاعدے کی بات ہے۔ کہ جب ایک آدمی دوسرے سے کوئی بات کہتا ہے۔ تو دوسرا خواہ کتنا ہی قابل اور لائق کیوں نہ ہو۔ اُس میں کوئی نہ کوئی فرق کر دیگا۔ اول تو مضمون بھی پورا یاد رکھنا مشکل ہے۔ اگر وہ رہ جائے۔ تو لفظ تو پورے مشکل ہی سے یاد رہتے ہیں۔ اگر وہ بھی رہ جائیں۔ تو لہجہ اور طرز بیان محفوظ رہنا تقریباً ناممکن ہے۔ اور لہجہ اور طرز بیان کا فرق بھی اسی قدر فرق پیدا کر سکتا ہے جسقدر لفظ یا معنی کی کوئی تبدیلی اور تغیر۔ تو جو بات ایک شخص کی نسبت سو دو سو سال کے بعد لکھی یا کہی جاتی ہے۔ اس کی نسبت کیسے یقین ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایسی قابل اعتبار ہے۔ جیسے وحی الٰہی۔

(۲) ان کتب مدونہ و مسلمہ میں سے ایسی ضخیم کتابوں کا تیار ہونا جو واقعی موضوع ہوں۔ اور ساری دُنیا کا انہیں موضوع تسلیم کر لینا۔ اور پھر باوجود اُن قواعد اور ضوابط کے آئے دن کسی نہ کسی حدیث کا موضوع ٹھہرتے رہنا۔

کیونکہ جس سے ایک مقدار غلط اور کھوٹ کی نکل سکتی ہے۔ اُس کے خلوص کی نسبت کیا خیال ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب موضوعات کی تعداد محدود اور مخصوص ہی نہ ہو۔

(۳) تدوین حدیث سے پیشتر کا زمانہ مسلمانوں کیلئے اُن خانہ جنگیوں۔ فرقہ تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ جس میں اس دین مقدس کے ایک سے کئی مختلف ایسے فرقے ہو گئے۔ جو ایک دوسرے کے سخت ہی مخالف تھے۔ مثلاً شیعہ۔ خوارج وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے۔ جو بات اس قدر اختلاف کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہوئی ہو۔ اس پر ضرور اس اختلاف اور اول خانہ جنگیوں کا کوئی نہ کوئی اثر ہو گا۔

(۴) مسلمانوں کے دو زبردست فرقوں اہل سنت والجماعت اور امامیہ کے مابین متداولہ کتب حدیث میں اسقدر فرق ہونا کہ ایک کے مقابلہ میں دوسرے کی کوئی حیثیت ہی نہ سمجھی جائے۔ چنانچہ جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں وہ اُن کے نزدیک ایک معمولی قصہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتی۔

(۵) شروع سے مسلمانوں کے دلوں میں بٹھایا گیا تھا کہ جو کچھ تمہیں خدا اور رسول کی جانب سے سُنایا جائے اسے بیچون و چرا مان لو۔ اُس پر کسی دلیل اور برہان کو طلب نہ کرو۔ اور واقعی سچی محبت اور عقیدت اسی کا نام ہے کہ جو کچھ اس پیارے کی نسبت کہا جاوے۔ بسر و چشم تسلیم کر لیا جاوے کیونکہ دلیل اور محبت کو آپس میں اختلاف ہے جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گر باستدلال کار دیں بُدے
فخر رازی راز دار دیں بُدے
پائے استدلالیاں چوبین بود
پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

اس حسن ظنی اور خوش اعتقادی کے بعد جس کی سادہ فطرت پر اختلاف فرقہ بندی اور غیر مسلم شریروں کی شرارت کے اثر کو موقع ملا ہو۔ جو علم اس طرح کا تدوین ہوا ہو اسقدر قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

علیٰ ہذا القیاس کئی ایک اور بھی ایسے ہی اعتراضات ہیں

جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حدیث اتنی قابل اعتبار چیز نہیں جیسے خیال کیگئی ہے۔ لہذا جیسا کہ نقادان حدیث نے اور اصول وضع کئے ہیں۔ وہاں ایک یہ بھی بیچ جائیگا۔ کہ ہر حدیث میں یہ دیکھ لیا جائے۔ کہ کیا یہ اُن مقدمات میں سے کسی کے زیر اثر تو نہیں۔ اگر ان میں سے کسی کے بھی زیر اثر ہو تو وہ اس قدر قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً ایسی احادیث جن پر اختلاف اور فرقہ بندی موثر ہو سکتی ہے۔ جیسے صحابہ اور خاص مسائل اختلافیہ کے متعلق یا ایسی احادیث جن پر مقدمہ خامس یعنی حسن ظنی اور خوش اعتقادی موثر ہو سکتی ہے۔ مثلاً وہ احادیث جن میں انبیائے سابق کے قصائص کا ذکر ہے۔ جن میں سے اکثر بعید از شان علوم ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ باقی احادیث کی تعلیم و تدریس نہائت موثر اور مسلمانوں کے لئے نہائت ضروری اور لابدی ہے۔ اور یہی وہ ضرورت ہے۔ جس کی خبر آئت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اشارہ کرتی ہے اور یہی ایمان بر رسول سے مقصود اور مدعا ہے۔

ان دونوں زمانوں میں قرآن شریف کی تعلیم و تدریس بہت کم تھی۔ پہلے زمانہ میں جبکہ فقہ کا دور دورہ تھا۔ اُس وقت تو عموماً محض تبرکاً قرآن شریف کی عبارت پڑھی جاتی تھی۔ اور معانی کی طرف بہت ہی کم خیال کیا جاتا تھا حتیٰ کہ علماء نے یہ خیال باندھ لیا تھا کہ قرآن شریف ایک برتر ہستی کا کلام ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے علوم و فنون میں مہارت اور کئی قابلیت ضروری اور لابدی ہے۔ جو اس قلیل عرصہ میں میسر ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے قرآن شریف کا ترجمہ کرنا گناہ ہے۔ ممکن ہے ہم سے کوئی غلطی ہو جائے اس لئے دوسرے لفظوں میں یہ خیال تھا۔ کہ قرآن شریف کا ترجمہ کرنے یا خیال کرنے کے لئے مجتہد کی حیثیت کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس ملک کے تمام اسلامی مدارس میں منطق فلسفہ ہندسہ ریاضی وغیرہ علوم کی اصلی کتابیں ہی داخل تحصیل اخری سمجھی جاتی تھیں۔ اگر زیادہ سے زیادہ کسی نے کیا۔ تو تفسیر بیضاوی کا ایک پارہ یا اس سے کم تبرکاً و تیمناً پڑھ لیا۔ اس خیال کا بقیہ اب تک کسی قدر آ رہا ہے۔ پُرانی طرز کے بڑے بڑے منطقی اور فاضل آدمی ملتے ہیں۔ جو قرآن شریف کی ایک آئت کا ترجمہ نہیں کر سکتے اس میں شک نہیں کہ اہل حدیث نے قرآن شریف کے ترجمے کو بھی عام رواج دیا۔ لیکن زیادہ تر زور حدیث پر ظاہر کیا جاتا تھا۔ اور عوام اس سے پورے مطمئن ہوتے تھے۔

لیکن یہ ایک دلیل اور برہان کا زمانہ ہے۔ اور کوئی شخص مذہب کے اصل اصول پر پہنچنے یا اُس کی سند بغیر مطمئن نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک چھوٹے بڑے مسئلہ میں قرآن شریف سے سند چاہتا۔ اور اس پر بھی فلسفیانہ رنگ میں اُس کی تفہیم طلب کرتا ہے۔ اس لئے نہائت ضروری ہے۔ کہ قرآن شریف کی تعلیم ہو۔ اور اس رنگ میں کہ اپنے نوجوانوں کے اطمینان قلبی اور ازدیاد ایمان کا موجب ہو اور مخالفین کے سکوت اور خاموشی کا باعث ہو۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے انگریزی خوان نوجوانوں نے جن سے ہماری آئندہ امیدیں وابستہ ہیں اور جن کے ہونہار دماغوں کو علوم جدیدہ نے مانجھ دیا ہے۔ اور اُن کی عقلوں کو صاف اور روشن کر دیا ہے۔ وضو کے فرض۔ واجب۔ مستحب کے نام گنوائے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ انہیں وضو کی فلاسفی بتلائی جائے۔ ایسا ہی بجائے اس کے کہ اُن سے پانچ نمازوں کی تاکید کی جائے۔ یہ بتا دیئے جاویں۔ کہ پانچ نمازیں اور ان اوقات میں پڑھنے کی حکمت اور حقیقت کیا ہے۔ پھر وہ خود بخود پڑھیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن دانی اور قرآن فہمی کے لئے اعلیٰ عربی دانی جزو لازم کی طرح ضروری اور لابدی ہے اور یہ نہائت افسوس کی نگاہ سے دیکھنے کے لائق ہے۔ کہ ہم میں دن بدن عربی دانوں کی کمی ہوتی جاتی ہے۔ چونکہ زمانہ ناموافق ہے اس لئے مولوی عربی دان پیدا ہونے بند ہو چکے ہیں پرانی مسجدیں عربی خوانوں سے خالی اور مدارس اسلامی ان سے ویران چلے آتے ہیں۔ اور جہاں کہیں کوئی مدرسہ ہے بھی۔ تو وہ بھی ایسا کہ وہاں سے ایسے آدمی پیدا ہونے کی امید نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو اس لئے کہ انگریزی علوم و فنون کی ضرورت نے تمام سمجھدار لوگوں کو اپنی طرف مائل کر دیا ہے حتیٰ کہ مولویوں۔ واعظوں۔ پیروں۔ سجادہ نشینوں کے لڑکے بھی کالجوں۔ سکولوں میں نظر آتے ہیں۔ عربی مدرسوں میں زیادہ تر وہی جاتے ہیں۔ جو تعلیم پانے کا کوئی ذریعہ اپنے پاس نہیں رکھتے۔ دوسرا اُن بقیہ مدارس میں وہی پرانی طرز تعلیم اور رہی خیالی منطق ہے۔ جس کا فائدہ صرف خیال ہی خیال میں محدود رہتا ہے۔ تیسرا اُن کے علاوہ یہ اور طرز بود و باش ایسی ہے۔ کہ عام لوازمات سے انسان بالکل ناواقف اور بے بہرہ رہتا ہے چنانچہ پچھلے دنوں کا ذکر ہے۔ کہ ایک طالب علم جو کافیہ شرح تہذیب پڑھتا تھا۔ مجھ سے پوچھتا ہے۔ کہ مکہ معظمہ کہاں رہتی ہے۔ لاہور یا کلکتہ میں۔ جن کا دُنیاوی علم اس قدر محدود ہے۔ اُن کا الٰہی علم کہاں تک وسیع ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ بہت دن نہیں گذرے کہ عربی دان مولوی ہی تمام اعلیٰ واقفیتوں اور معاملہ فہمیوں کے مالک تھے اور نکتہ رسی اور حقیقت فہمی اُنہی کا حصّہ تھا۔ مگر وہ وقت تک محدود تھا۔ جب تک اُن میں ایک خاص روح تھی۔ اور علوم جدیدہ نے قدم رکھا تھا۔ اب ان علوم جدیدہ کا حق ہے۔ کہ اُنہیں پڑھنے اور زیر مطالعہ رکھنے والے انسان سمجھداری اور روشن ضمیری کے مزین لقب سے ملقب ہوں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ عربی کی طرف سے یہ بھی قریباً غافل۔ بے پرواہ ہیں۔ اور سلسلہ تعلیم ہی کچھ ایسا ناقص اور نامکمل ہے۔ کہ ایم اے عربی میں پاس کر کے ایک گریجویٹ عربی دان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ یعنے اُسے عربی سے بہت کم واقفیت ہوتی ہے مگر تاہم بھی قرآن فہمی کے عناصر اس عربی دانی میں منحصر نہیں۔ بلکہ اصل قرآن دانی اور چیزوں پر منحصر ہے۔ عربیت محض آلہ کی طرح ضروری الاستعمال ہے۔

یہ ایک مسلّم الثبوت امر ہے کہ کسی کلام کے سمجھنے کے لئے متکلم کے مزاج اور طبیعت سے واقفیت ضروری ہے۔ نیز اُس کی حیثیت اور موقع کلام سے پوری پوری واقفیت لازمی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی فقرے کے معنی متفرق مواقع کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً ایک فقرہ ہے۔ ٹکٹ لاؤ۔ جب اُسے ایک درزی اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا بولے تو ایک معنی ہونگے۔ جب کسی ریلوے سٹیشن پر ٹکٹ کلکٹر بولے تو اور۔ جب کوئی مسافر ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر اپنے ملازم سے یہ فقرہ بولے۔ تو اور معنی ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے فقروں کے معنی طرز بیان اور لہجہ سے بدل جاتے ہیں لیکن جسے متکلم کے مزاج اور حیثیت سے واقفیت ہے۔ وہ اُس کی حقیقت خوب سمجھ سکتا ہے۔ اور نہ صرف کسی اُس کے بولے ہوئے فقرہ کے معنی خوب سمجھ سکتا ہے بلکہ قبل از تکلم وہ ایسے مطلب کو معلوم کر لیتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک انسان کسی انسان سے اعلیٰ درجہ کا تعلق محبت پیدا کر لیتا ہے۔ تو اُسے اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ اُسے دوسرا دوست کوئی بات کہے۔ بلکہ بن کہے وہ اس کے سب ابروؤں اور ایماؤں کو جانتا اور پہچانتا ہوتا ہے۔ یہی وہ حالت ہے۔ جسے اہل اللہ

ہو رہا رسیدہ لوگوں کی صورت میں حالت کشف یا انشراح تام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مگر اس قسم کے تعلق کے لئے ایک طرح کے تعلق محبت کی ضرورت ہے۔ بلکہ صرف پاس رہنا بھی بہت کچھ واقف کر دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک حاکم یا افسر کے پاس رہنے والے منشی وغیرہ ایک ایسے حکم کو جو افسر اعلیٰ جاری کرنے والا ہو۔ اور جسے اُس نے بالصراحت ہرگز اپنے پاس کے لوگوں سے ظاہر نہ کیا ہو۔ جانتے ہوتے ہیں۔ اور ایک حد تک یہ امر اُن کے لئے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شائع ہونے کے بعد تو ساری دنیا جان سکتی ہے۔

ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔ کہ قرآن کریم خداوند تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس لئے اس کے سمجھنے کے لئے سچے تقویٰ اور پرہیزگاری کی ضرورت ہے۔ جو اس کے مزاج پانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اور کلام کے موقعہ مناسب دریافت کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا کامن سنس مطلوب ہے۔

میں نے ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے کہ عربی سے اتنی واقفیت نہیں رکھتے۔ مگر قرآن شریف کی آیات کے ایسے معنی بیان کرتے ہیں گویا وہ خداوند تعالیٰ کے اصلی منشاء پر آگاہ ہیں۔

اس کے برخلاف ایسے بھی دیکھے ہیں جو عربی زبان سے اعلیٰ واقفیت رکھتے ہیں۔ مگر قرآن شریف کے ترجمہ میں عربی دانی اُن کے مفید نہیں پڑ سکتی۔

ایک عربی کے عالم ایک حدیث کے ترجمہ میں جس کے الفاظ غالباً یہ ہیں۔ علیکم بکثرة النعال فی السفر لکھتے ہیں سفر میں جوتے بہت سے ساتھ لیجایا کرو۔ اور ایک دوسرے صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ سفر میں جوتے کا اکثر کرکے استعمال رکھا کرو۔ عربیت دونوں کے ساتھ ہے۔ مگر اصلی معنی حدیث کا اس کے ساتھ ہے۔ جو عربیت کے ساتھ کامن سنس سے بھی حصہ رکھتا ہے۔ کیونکہ جس شخص رسول اللہ صلعم کی مہربانہ طبیعت سے واقفیت ہے۔ وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ اُسی قسم کی محبت کی تعلیم ہے۔ جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ جلتا ہوا چراغ گھر میں اکیلا نہ چھوڑ جایا کرو۔ یا شب کو بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلا کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہی حالت قرآنی تفسیر اور ترجمہ کی ہے جہاں کہیں محض عربی دانی کو ہی ہادی و رہنما بنا لیا گیا ہے۔ وہاں اس قسم کی غلطیاں ہوئی ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں ایک آیت ہے۔ جو ایک دہریہ خداوند تعالیٰ کی ہستی سے انکار کرنے والے انسان کے جواب میں ہے من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فی الدنیا والآخرة فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر هل یذهبن کیده ما یغیظ۔ اس کے معنی عموماً تفاسیر و تراجم میں یہ لکھے ہیں "جس شخص کو خدا کی اعانت اور نصرت کا گمان نہیں یعنی جس کا یہ گمان ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ کسی انسان کی دنیا و آخرت میں مدد نہیں کرتا۔ تو اس کا یہی علاج ہے۔ آسمان یعنے اوپر کوٹھے کی چھت کی طرف ایک رسی لٹکائے اور زمین سے پیر کاٹ دے پھر دیکھیں اس کا غصہ گیا یا نہیں" یعنے ایسے بدمعاش کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ بس یہی کہ پھانسی لے کر مر جائے۔ لیکن جن لوگوں کو خداوند تعالیٰ اور اُس کی حیثیت سے واقفیت ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ اپنی پیاری مخلوق کو اس طرح سختی سے گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کا قاعدہ محبت اور الفت سے سمجھانے اور سچی دلیل پیش کرنے کا ہے۔ اس آیت کے اصلی معنی یہ ہیں۔ جس بے سمجھ کا یا شخص کا یہ گمان ہے کہ خداوند تعالیٰ دنیا و آخرت میں مدد نہیں کرتا۔ تو اس کو ہم یہ عمدہ علاج بتلاتے ہیں کہ اُسے خداوند تعالیٰ کے ساتھ کوئی رشتہ پیدا کرنا چاہئیے اور دنیاوی تعلقات (جو خدا کی طرف سے روکنے والے ہیں) قطع کر دے۔ پھر دیکھے۔ کہ اُس کے دل کا خدشہ جاتا ہے یا نہیں

یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں عموماً اختلاف اور اس کے متعلق قریباً ہر زمانہ میں رائیں بدلتی رہیں ہیں۔ ایک وقت جس امر کو داخل قرآن شریف اور ضروری سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں غیر داخل اور غیر ضروری سمجھا گیا۔ مثلاً ایک زمانہ ناسخ و منسوخ پر بڑی شد و مد سے بحثیں ہوتی تھیں۔ بلکہ رفتہ رفتہ اُس طبقہ کے لوگوں میں تبدیلی ہونی شروع ہوئی۔ پہلے ناسخ و منسوخ کی تعداد میں کمی ہوئی۔ بعد میں سرے سے اس کے وجود سے انکار کر دیا گیا۔ سو قرآن شریف کی اصلی ہدایت اور تعلیم سے مستفید ہونے کے عربی دانی کی صرف اسی قدر ضرورت ہے۔ جس قدر کہ زبان کو اُس سے تعلق ہے۔ لیکن اُس کے قوی اور زبردست عناصر۔ نیکی پرہیزگاری اور کامن سنس ہے۔ کیونکہ علوم جدیدہ کی تعلیم زیادہ موثر مادیات کی طرف لیجاتی ہے اور جو شخص مادیات میں ترقی کر جاتا ہے روحانیت میں گھٹتا اور کم ہوتا جاتا ہے۔ اور اگر اس حالت روحانیت اور اخلاق پاکیزہ کے ایک معقول رنگ میں تعلیم نہ ہو۔ تو وہ انسان دہریہ اور لامذہب ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی حیوانوں۔ درندوں سے بدتر اور قابل نفرین ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مرض ہے۔ جو اس وقت کثرت سے پھیل رہی ہے۔ اور یہی وقت ہے۔ کہ موجودہ نسلوں کو علوم و فنون جدیدہ کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی ایک نہایت ہی موثر پیرایہ میں تعلیم دیکر اسلام کے پاکیزہ اصول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی پاک ہدایت پر مستحکم کیا جائے

اس وقت کئی آزاد منش اس خیال کے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا خیال ہے۔ کہ مسلمان مومن ہونے کے لئے محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت کی کچھ ضرورت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہی ایمان کافی ہے۔ اور اس کی سند میں ایک آیت پیش کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور روز آخرت کو ایمان سمجھا اُن پر کوئی خوف نہیں اور انہیں کوئی غم نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان تیز فہموں کو یہ معلوم نہیں کہ انسان کا ایمان باللہ کوئی چیز نہیں جب تک ایمان بر رسول ساتھ نہ ہو۔ جیسا کہ خدا پاک فرماتا ہے فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم الخ اسی لئے اسلام کے پہلے اصول میں ایمان بر خدا و رسول کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اخیر میں قرآن شریف کی قریباً آخری سورة کا ترجمہ کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ محض زباندانی ایک بات کی اصلیت کی طرف کہاں تک ہادی و رہنما ہو سکتی ہے۔

قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفٰثٰت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد۔ چونکہ یہ ایک مشہور سورة ہے اس لئے اس کے عام مشہور معنی میں فرض کر لیتا ہوں کہ آپ اگر جانتے ہیں میں صرف اپنے معنے عرض کر دیتا ہوں۔ حقیقت خود بخود آپ صاحبان پر کھل جائیگی فلق کے معنے صبح کے کرنے یہاں پر بالکل بے تعلق ہیں بلکہ اس کے معنی پیدائش اور مخلوق کے ہیں۔ یعنی مخلوق کے رب کی مدد سے اس کی مخلوق کی شریر چیزوں یا شرارتوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ آگے مخلوق کی شرارتیں تین قسم کی ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ خود کوئی انسان کسی دشمن کو تکلیف دے۔ دوسرا خود عاجز ہے۔ تو کسی سے کچھ کھلا کر کرائے۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتا۔ تو اکیلا بیٹھا کڑھتا ہے۔ سو خدا پاک نے ان تینوں سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ من شر غاسق اذا وقب سے پہلے کی طرف اور من شر النفٰثٰت سے دوسرے کی طرف اور من شر حاسد اذا حسد سے آخری قسم کی طرف اشارہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰة والسلام علی محمد خلقہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔!

انجمن تشحیذ الاذہان

یہ انجمن احمدی قوم کے نونہالوں کی انجمن ہے۔ جس کے بانی مبانی احمدی قوم کے فخر اور مخدوم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ الاحد ہیں۔ اس انجمن کے سرپرست حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو تھے ہی مگر حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ اس کے مربی اور محسن رہے ہیں۔ انجمن کے جلسوں میں اپنے بہت سے ضروری کام چھوڑ کر بھی ہمیشہ خوشی سے حاضر ہوتے اور وقتاً فوقتاً اپنی تقریروں میں انجمن مذکور کے نوجوان ممبروں کی حوصلہ افزائی اور تعلیم سے کام لیتے رہتے۔ اور آج میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ تشحیذ الاذہان کی موجودہ کامیابی پر سب سے زیادہ خوش اور سب سے زیادہ مبارکباد کے قابل آپ ہی کا وجود ہے۔ اس لئے کہ یہ انجمن ہے۔ جس کی ترقی اور کامیابی کے آپ دل سے خواہشمند تھے اور ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں قائم ہوئی۔ آپ کے زیر سایہ بڑھی پھلی پھولی اور ترقی کر رہی ہے۔ اور اس کے خوشگوار پھل آج احمدی قوم کے لئے مایہ ناز ہیں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے قلم اور زبان کے بیش قیمت جواہرات انجمن تشحیذ کے لئے سلسلہ کی تاریخ میں در یتیم سمجھے جاکر ہمیشہ قابل عزت سمجھے جائیں گے۔ الحکم میں انجمن کے متعلق وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے۔ کہ انجمن تشحیذ الاذہان کی قومی اور دینی خدمات کا سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری ہو۔ اور قوم اپنے اس مایہ ناز وجود کی حفاظت اور استحکام کے لئے خصوصیت سے توجہ کرے۔ انجمن تشحیذ با خبر اور قادر الکلام سپیکر پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اور ایسا ہی اس نے چند اہل قلم نوجوان پیدا کر دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے نوجوانوں کا ایک گروہ پیدا کر دیا ہے جو خدمت دین کے لئے اپنے اندر للٰہی جوش ...... رکھتے ہیں۔ انجمن کے کل عہدہ دار اور کارکن محض للہ کام کر رہے ہیں باوصفیکہ وہ سب کے سب صدر انجمن کے ماتحت صیغہ جات میں ملازم ہیں اور وہاں بڑی ذمہ واری کے کام کر رہے ہیں جہاں انہیں بعض اوقات مقررہ اوقات سے بہت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔

لیکن باوجود ایسی محنت شاقہ کے وہ تشحیذ الاذہان کا کام پوری تندہی اور احتیاط اور پھر پورے شوق اور جوش کے ساتھ انتھک ہمت سے کر رہے ہیں۔ اور اب نظر آتا ہے کہ وہ کام جو ابتدا ًشائد بچوں کا کھیل سمجھا جاتا ہو ایک ایسا کام ہے۔ جس سے یقیناً اللہ اور اس کا رسول خوش ہے اور جس پر یقیناً وقت آنے والا ہے۔ کہ بڑے بڑے بوڑھوں کو رشک ہوگا۔ خدمتِ دین کے لئے بے غرض اور پرجوش نوجوان تیار کر دینا چھوٹی اور آسان بات نہیں۔ اور یہ فخر جب کبھی ہوگا۔ انجمن تشحیذ ہی کو ہوگا۔ کہ اس مقصد کے لئے خدا تعالیٰ نے ازل سے اسے برگزیدہ کیا تھا۔ میں انجمن کے ممبروں۔ اس کے کارکنوں اور انجمن کے بانی اور سرپرست کو مبارکباد دیتا ہوں اس کامیابی پر۔

انجمن کا رسالہ تشحیذ حضرت صاحبزادہ صاحب کی ایڈیٹری سے نکلتا ہے۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ بالکل حق بات ہے۔ کہ رسالہ مذکور کے ایڈیٹر کی زبان اور قلم میں بھی وہی شان جلوہ گر ہے۔ جو ہم سب کے آقا اور محبوب مسیح و مہدی کے زبان اور قلم میں تھی۔ پس ہم میں سے کون ایسا وجود ہو سکتا ہے۔ جو پیارے مہدی کی شان کلام کا گرویدہ نہ ہو۔ میری رائے میں ہر احمدی کا قومی فرض ہے۔ کہ رسالہ تشحیذ کو خریدے۔ اور اس تجارت میں وہ ایسے جواہرات کو حاصل کریگا۔ جو کسی اور صورت میں مل سکتے ہی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت سی تحریریں ایسی ہیں۔ جو اڈیٹر تشحیذ کے سوا کسی اور کو مل سکتی ہی نہیں۔ اور تشحیذ ہی ایسی تحریروں کے شائع کرنے کا التزام کر سکتا ہے۔

پس اگر ہم حضرت مسیحؑ کی ان تحریروں کے خواہشمند ہیں۔ اور ضرور ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم پرچے خرید کر انہیں لیں۔ پھر تشحیذ اشاعت اسلام کا زبردست کام کر رہا ہے۔ اس کی اعانت ہم سب کا فرض ہے۔

انجمن تشحیذ الاذہان اپنی اس خدمت دین کو ایک وسیع پیمانہ پر کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔ تاہم قوم کی متحد اعانت کی حاجت ہے۔ اگر کم از کم ایک سو ایسے آدمی ہمت کریں۔ جو تین سال تک پانچ روپیہ سالانہ تشحیذ کی اعانت کے لئے عہد کرلیں۔ اور سالانہ زر اعانت محاسب تشحیذ الاذہان کے پاس بھیج دیں۔ تو تشحیذ الاذہان کے ذریعہ سے ایک نہائت مفید کام تجویز کیا جا سکتا ہے۔ مجھے امید کرنی چاہیئے۔ کہ الحکم کے پڑھنے والوں میں سے ایسے سو آدمی ضرور نکل آئیں گے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ انجمن تشحیذ الاذہان کے سامنے اشاعت اسلام کی بعض اہم تجاویز ہیں۔ اور جس وقت وہ پبلک میں عملی رنگ میں پیش ہوں گی۔ تو یقین ہے کہ احمدی قوم بہت ہی خوش ہوگی۔ اور وہ سلسلہ کی اصل منشا انہیں پائے گی۔ رسالہ تشحیذ الاذہان کی سالانہ قیمت دو روپیہ ہے۔ اور ممبران انجمن کو جنہیں تین روپیہ سالانہ چندہ ممبری دینا پڑتا ہے۔ رسالہ مفت دیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ طالب علموں کو یہ رسالہ کسی قدر رعائت سے دیا جاتا ہے۔ اور انجمن تشحیذ اس فکر میں بھی ہے۔ کہ رسالہ کے مستقل خریداروں کی تعداد ایک ہزار ہو جائے۔ پر وہ یا تو اس قیمت میں کمی کرے گی۔ یا اس کے حجم کو بڑھا دے گی۔ بہر حال ہر احمدی کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اس رسالہ کو خریدے۔ اور انجمن تشحیذ الاذہان کا ممبر ہو۔ جو لوگ معاونین رسالہ میں اپنے نام لکھائیں گے ان کے نام الحکم میں شائع ہوتے رہیں گے۔ جب پورے سو نام معاونین کی فہرست میں درج ہو جائیں گے۔ تو اس فنڈ سے اشاعت اسلام کے متعلق جو تجویز ہے وہ پبلک کی جائے گی۔ اس لئے جو لوگ اس امر کے خواہشمند ہیں۔ کہ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کو پورا کرنے میں وہ حصہ لیں۔ وہ فوراً اس کار خیر میں قدم بڑھائیں۔ اور تین طرح سے مدد کریں۔ اوّل خود خریدار ہوں اور دوسروں کو خریداری پر آمادہ کریں۔ دوم تشحیذ الاذہان کے ممبروں کی تعداد بڑھانے میں سعی کریں۔ خود ممبر ہوں۔ اور دوسروں کو ممبر بننے کی تحریک کریں۔ سوم معاونین میں داخل ہو کر تین سال تک صہ (۵) سالانہ دینے کا عزم کریں۔ اس طرح پر اگر احباب نے توجہ کی۔ تو انشاء اللہ بہت مفید نتائج پیدا ہو سکیں گے۔

حضرت مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر میگزین
کا
ایک خط

چودہری رستم علی صاحب مرحوم بڑے مخلص اور سلسلہ احمدیہ کے سرگرم ممبر تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بڑے بڑے مدارج جنت الفردوس میں عطا فرماوے۔ کل رات میں بہت دیر تک اُن مکتوبات کو پڑھتا رہا۔ جو حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام نے وقتاً فوقتاً چودہری صاحب کو لکھے تھے۔ چودہری صاحب نے اپنی زندگی میں ان مکتوبات کو میری درخواست پر نقل کرانا شروع کیا تھا مگر خدا کی قدرت وہ مجھے اُن کی وفات کے بعد ملے۔ ان خطوط میں میرے مکرم بھائی مولوی محمد علی صاحب کا بھی ایک خط تھا جو انہوں نے چودہری صاحب کو ۶ دسمبر ۱۹۰۵ء کو لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے حضرت اقدس کی ایک مجلس کے ملفوظات لکھے ہیں۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں۔ کہ وہ ناظرین الحکم کے لئے بہت دلچسپی کا موجب ہوں گے۔ اور وہ اسے **ذکر حبیب** سمجھ کر میرے لئے اور میرے بھائی مولوی محمد علی صاحب کے لئے دعائے خیر کریں گے۔ اور ایسا ہی چودہری صاحب مرحوم کے لئے بھی۔ ان ملفوظات کو پڑھتے ہوئے مجھے امید کرنی چاہئے۔ کہ قوم اس غرض کے پورا کرنے کی فکر کرے گی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان ملفوظات میں بطور امانت ہم تک پہونچائی گئی ہے فی الحقیقت ضرورت ہے اس امر کی کہ سلسلہ میں ایسے لوگ تیار کئے جاویں جو اپنی زندگیاں خدمت دین کے لئے وقف کر سکیں۔ ایڈیٹر

وہ خط یہ ہے!

مکرمی چودہری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا نوازش نامہ پہونچا۔ حضرت اقدس کی خدمت میں سنایا۔ فرمایا۔ لکھ دو۔ خط بھی نصف ملاقات ہوتی ہے۔ اگر وہ خط لکھ دیا کریں۔ اور دعا کے لئے یاد دلا دیا کریں۔ تو میں دعا کرتا رہوں گا۔ بہت پرانے مخلص ہیں۔ فرمایا اُن پر کچھ قرضہ کا بوجھ بھی ہے۔ جب تک اس سے فراغت نہیں ہوتی۔ ملازمت کرتے رہیں بعد میں پنشن لے لیں۔

آج پھر فرمایا کہ رات کو پھر وہی الہام پھر ہوا۔ قرب اجلک المقدر۔ ولا نبقی لک من المخزیات ذکرا۔ قل میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیات شیئاً۔ فرمایا۔ ان فقرات کے ساتھ لگنے سے صاف منشاء الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب پیغام رحلت دیا جاوے گا۔ تو دل میں یہ خیال پیدا ہوگا۔ کہ ابھی ہمارے فلاں فلاں مقاصد باقی ہیں۔ اس کے لئے فرمایا۔ یہ ہم سب کی تکمیل کر دیں گے۔ فرمایا۔ لوگ اکثر غلطی کھاتے ہیں۔ کہ وہ چاہتے ہیں۔ کہ سب امور کی تکمیل ماموری کر دے۔ وہ بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ سب کچھ مامور اپنی زندگی میں ہی کر کے اُٹھے۔ صحابہ میں بھی ایسا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کا وقت نہیں آیا۔ کیونکہ دعویٰ تو تھا۔ کہ کل دنیا کی طرف رسول ہوں۔ اور ابھی عرب کا بھی بہت سا حصہ یوں ہی پڑا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان سب امور کی تکمیل آہستہ آہستہ کرتا رہتا ہے۔ تاکہ جانشینوں کو بھی خدمت دین کا ثواب ملتا رہے۔ اسی ذکر میں فرمایا۔ کہ ہماری جماعت میں سے اچھے اچھے لوگ مرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب جو ایک عجیب مخلص انسان تھے۔ اور ایسا ہی اب مولوی برہان الدین صاحب جہلم میں فوت ہو گئے۔ اور بھی بہت سے مولوی صاحبان اس جماعت میں سے فوت ہو گئے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ جو مرتے ہیں۔ اُن کا جانشین ہم کو کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر فرمایا۔ مجھے مدرسہ کی طرف دیکھ کر بھی سخت رنج پہنچتا ہے۔ کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے۔ وہ بات اس سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگر یہاں سے بھی طالب علم نکل کر دنیا کے طالب ہی بننے تھے۔ تو ہمیں اس کے قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم تو چاہتے تھے۔ کہ دین کے لئے خادم پیدا ہوں۔ چنانچہ پھر بہت سے احباب کو بُلا کر اُن کے سامنے یہ امر پیش کیا۔ کہ مدرسہ میں ایسی اصلاح ہونی چاہئے۔ کہ یہاں سے واعظ اور مولوی پیدا ہوں۔ جو آئندہ ان لوگوں کے قائمقام ہوتے رہیں۔ جو گذرتے چلے جاتے ہیں۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔ کہ آریہ سماج میں وہ لوگ پیدا ہوں۔ جو ایک باطل کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ مگر ہماری قوم سچے خدا کو پاکر پھر دُنیا کی طرف جُھک رہی ہے اور دین کے لئے زندگی وقف کرنا محال ہو رہا ہے۔ فرمایا۔ سب سوچو کہ اس مدرسہ کو ایسے رنگ میں رکھا جاوے۔ کہ یہاں سے قرآن دان واعظ مولوی لوگ پیدا ہوں۔ جو دُنیا کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہوں والسلام۔

خاکسار محمد علی۔

۶ دسمبر ۱۹۰۵ء

اطلاع

۱۔ خریداران الحکم اپنی خط وکتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھیں ورنہ عدم تعمیل کی شکائت قابل پذیرائی نہ ہوگی۔

۲۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہئے۔

۳۔ اپنی ذمگی واجب الادا رقوم خود بخود بھیجدیں۔ وی پی کی تکلیف نہ دیں۔

عربی تعلیم کے لئے آسان راہ

خدا کا شکر اور اسکی حمد ہے کہ عربی تعلیم کو آسان کرنیکے لئے جو تحریک خاکسار ایڈیٹر الحکم نے ۱۴۔ فروری کے الحکم میں کی تھی وہ قبولیت کی نظر سے دیکھی گئی اور مجھے حوصلہ ہوا ہے۔ کہ میں اس معاملہ پر متواتر قلم اٹھاؤں اللہ تعالیٰ جو عالم النیات ہے جانتا ہے کہ میں کس ذریعہ سے ایک خدمت عربی زبان کی کرنا چاہتا ہوں اور قوم میں اسکا مذاق پیدا ہو جاوے۔ تاکہ قرآن کریم کے سمجھنے میں سہولت ہو یہ خیال میرا نیا نہیں جو آج پیدا ہوا ہو۔ "البشریٰ" کا اعلان جب کیا گیا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے ازبس پسند فرمایا تھا۔ اور اسی بنا پر میرے محسن و مخدوم حضرت خلیفۃ المسیح نے البشریٰ کے لئے سب سے پہلا خریدار ہونیکا فخر مجھے بخشا تھا میرا وہ ارادہ پست نہیں ہوا۔ تبدیل نہیں ہوا میں جانتا ہوں ہر کام کیلئے ایک وقت ہوتا ہے یہ آرزو ہے کہ ہماری قوم میں ایسے نوجوان ہوں جو عربی زبان میں تقریر کرسکیں تحریر کرسکیں۔ یہ آرزو اب پوری ہوتی نظر آتی ہے کیونکہ ہر طرف سے مجھے عربی زبان کی ترقی کی خوشبو آرہی ہے صوبجات متحدہ کے گورنر کی رائے کے بعد کلکتہ میں عربی زبان کی حمایت کیلئے ایک انجمن کا قائم ہونا کم مسرت بخش امر نہ تھا اب اخبار وکیل میں میں اسی تحریک کے پڑھتا ہوں کہ ایک عربی زبان کے اخبار کی حاجت ہے یہ جدا مضمون ہے اس سلئے میں اس پر لکھونگا اگر توفیق ملی سردست میں اپنی مندرجہ بالا تحریک کے متعلق یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اسپر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اگر اس تجویز کے مطابق ایک آدمی بھی نکل آیا۔ تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور کم از کم میں خود ہی اس مذاق کے موافق کچھ حاصل کر سکوں اس وقت تک میرے پاس ۷ نام آچکے ہیں ۵ قادیان کے اور دو باہر کے میں چاہتا ہوں کہ باہر سے آئے ہوئے خطوط اس ضمن میں چھاپ دوں تاکہ دوسروں کو تحریک ہو میں امید کرتا ہوں کہ اگلی اشاعت میں بیس نام ہو جائیں گے تاکہ مارچ سے یہ کام شروع ہو جاوے خدا کرے اس میں خیر و برکت ہو آمین

پہلا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ؕ

اخویم مکرم جناب شیخ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۴۔ فروری کا الحکم آج ملا اسکو پڑھکر ایک خاص مسرت حاصل ہوئی۔ گذشتہ پرچہ میں مدرسہ عربیہ دینیہ کے متعلق آپنے لکھا تھا۔ وہ عام مسرت کا موجب تھا خداوند کریم سے التجا ہے کہ وہ احمدی نوجوان دونوں مسرتوں سے بہرہ یاب ہونیکی بہت جلد توفیق عطا فرمائے۔

خاص مسرت کے ساتھ مجھے بھی کچھ عرض کرنا ہے اور وہ یہ کہ بیس نام جو آپ چاہتے ہیں اس میں میرا نام بھی درج فرمائیے اللہ کے فضل و کرم سے انیس نام آپکو اور ملجائینگے۔ ہم ایسے لوگوں کی عربی تعلیم کے لئے یہ طریقہ جو آپنے سوچا ہے۔ نہایت عمدہ ہے اس طریق پر امریکہ کے لوگ ہندوستان میں تعلیم دیتے ہیں میرا ایک بھائی نثار حسین جو حیدرآباد دکن میں ملازم ہے اسی طریقہ پر تعلیم پا رہا ہے کئی امتحان پاس کر چکا ہے۔

میری عربی تعلیم کا یہ حال ہے کہ میں شرح جامی تک صرف نحو میں چند رسائل منطق میں قانونچہ موجز طب میں پڑھی تھیں ادب میں دیوان متنبی شروع کیا تھا۔ مگر پڑھنے کا سلسلہ قائم نہیں رہا۔ بنزولات زمنہ کے باعث پڑھا پڑھایا کچھ یاد رہا کچھ بھول گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ عربی زبان میں مجھے ایسی قابلیت حاصل ہو جائے کہ عربی نثر اور نظم فصیح و بلیغ لکھ سکوں اور اس کام کے لیئے اپنی استطاعت کے مطابق محنت کے علاوہ خرچ کرنے پر بھی تیار ہوں یہ آرزو میرے دل میں مدت سے گھر کئے ہوئے تھی کیا عجب ہے کہ اسکے پورا ہونیکا یہی وقت ہو۔

میں آپکا شکر گذار ہوں۔ کہ یہ مسرت بخش پیام آپنے مجھ تک پہنچایا۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ آپکو اور ہم کو ان نیک اور پاک ارادوں میں کامیاب فرمائے۔ والسلام۔ براہ مہربانی حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ کی خدمت میں فیضدرجت میں بھی میری طرف سے سلام مسنون عرض کر دیجئے گا۔

راقم صادق حسن سکرٹری انجمن احمدیہ اٹاوہ

دوسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ؕ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد گذارش ہے کہ میں نے آپکا مضمون عربی زبان سیکھنے کے لیے خوشگوار زمانہ پڑھا جو کہ آپنے الحکم صفحہ ۴ ۱۴ فروری میں شائع کیا ہے بموجب آپکی ہدایت کے میں آپکو اپنی ناقص رائے سے اطلاع دیتا ہوں امید ہے کہ آپ اپنی توجہ سے سرفراز فرماوینگے وھو ہذا

یہ بالکل سچ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی زندگی کا زمانہ ہماری واسطے آب حیات سے بڑھکر ہے اور اسکا ایک ایک لحظہ نعمت بے بہا ہے اور ہماری عربی کی تعلیم کے لئے اس زمانہ کی کوشش بہت جلدی بارآور ہو سکتی ہے اور ہمیں اس طور پر کوشش کرنی چاہئیے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں

میں نے اس سے پیشتر چند بار یہ کوشش کی تھی کہ عربی زبان کی صرف نحو اور لغت وغیرہ سیکھوں مگر میں ابھی تک اس میں کامیاب نہ ہو سکا جسکی زیادہ تر رکاوٹیں دنیاوی ہی تھیں خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دور فرماوے اور ایکدفعہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھی ایک عریضہ لکھا تھا جس پر آپنے بڑی مہربانی سے اپنی زرین رائے سے سرفراز فرمایا ہے اور اسپر چلنے سے میں مستعد بھی ہوا گو پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا اب جو آپنے جو تحریک فرمائی ہے میں اسکو اپنے لیئے ایک نیک فال خیال کرتا ہوں لہذا میں نے آپکو خطاب کرنا مناسب خیال کیا امید ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اور آپکی کوششوں اور دعاؤں سے بہت کچھ بہتر ہوگا۔

احمدی کلب

آیندہ کے لئے یہ التزام کیا گیا ہے کہ ناظرین الحکم کے متفرق امور کا جو عمومیت کا رنگ رکھتے ہوں اس عنوان کے نیچے جواب دیا جایا کرے اس سے پہلے گذشتہ سالوں میں بھی ایسا التزام کیا گیا تھا۔ اور اب بھی انشاء اللہ اس کام کو ضرورتاً جاری رکھا جاویگا جس ہفتہ کوئی ایسا امر نہ ہوگا اس ہفتہ اس کالم میں دوسرے مضامین ہونگے (ایڈیٹر)

سلک مروارید سید رکن الدین احمد کڑا ضلع الہ آباد سے سلک مروارید کے دونوں حصوں کو پڑھکر لکھتے ہیں سبحان اللہ عمدہ کتاب ہے بالخصوص مستورات کے لئے راہ ہدایت ہے اور نیک تعلیم۔ فوراً اطلاع دیجئے کہ تیسرا حصہ کب شائع ہوگا۔ خدا کرے کہ یہ کتاب ہدایت کا موجب ثابت ہو کر میرے لئے ذریعہ نجات ٹھہرے آپکے حسن ظن

کے لیئے جزاک اللہ کہتا ہوں۔ سِلکُ مُرواِید کے تیسرے حصہ کیلیئے دعا کریں کہ توفیق ملے۔

عقاید کی کتاب

"سید صاحب موصوف دریافت کرتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی کتاب ہے جس میں قبر کے سوال جواب وغیرہ امور کی تصریح ہو۔" یاد رہے کہ میں نے ایک کتاب "احمدی اور انکا مذہب" لکھی ہے۔ اور وہ اس باب میں بفضلہ تعالیٰ جامع کتاب ہے۔ اسکا اعلان اسمار الحسنیٰ کیساتھ شایع ہوا ہے مگر ابھی چھپی نہیں ہے۔

نکاح بیوگان کی ترغیب پر کتاب

کاٹھ گڈھ ضلع ہوشیار پور کی احمدی اجماعت کے راجپوت احباب نے ایک میموریل بھیجا ہے کہ میں ایسی کتاب لکھوں جو نکاح بیوگان کی ترغیب کا موجب ہو اگرچہ مجھے اتنی فرصت نہیں تاہم میں اپنے نیک دل احباب کی درخواست کو رد نہیں کرتا وہ جلد سِلکُ مُروارید کے تیسرے حصہ کی شکل میں اسے پڑھیں گے خدا توفیق دے۔

سلائی کٹائی کی مشین

خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ کارخانہ الحکم میں سلائی کٹائی کی مشین بھی پہنچ گئی ہیں اور کام کرنے لگی ہیں۔

ریلوے سٹیشن بٹالہ

بٹالہ ریلوے سٹیشن پٹھانکوٹ لائن پر ایک بڑا مشہور اور کاروباری سٹیشن ہے اسیلئے یہاں کا عملہ جیسا محتاط اور مستعد ہونا چاہیئے۔ وہ ایک ظاہر امر ہے۔

چند روز ہوئے بٹالہ کے مہر عبدالرحیم نے جو میونسپل کمشنر بھی ہیں بٹالہ سٹیشن کے عملہ کے خلاف ایک شکایت زمیندار وغیرہ اخبارات میں چھپوا کر بٹالہ کے ہوشیار اور قابل قدر عملہ ریلوے سٹیشن کو بدنام کرنا چاہا ہے مجھے یہ شکایت پڑھکر سخت رنج ہوا۔ اسلیئے نہیں کہ وہ شکایت کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے بلکہ اسلیئے کہ ایک میونسپل کمشنر نے ایسی شکایت کی جرأت کی جو سراسر غیر متعلق اور فضول تھی۔

انہوں نے اپنی ملنطی اور کمزوری کو چھپانیکے لیئے اور شکایت کو باوقعت بنانیکے لیئے میونسپل کمشنر کی حیثیت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ جو ہرگز مناسب نہ تھا۔ ہمیں بٹالہ سٹیشن کے عملہ سے جسقدر کام پڑتا ہے کیا بحیثیت ایک کاروباری آدمی ہونیکے اور کیا اس لحاظ سے کہ ہماری جماعت کے ہزاروں انسان اس سٹیشن سے گذر کر آتے ہیں اور جاتے ہیں اسقدر مہر عبدالرحیم کو یقیناً نہیں پڑتا ہوگا۔ اور اس وجہ سے ہم عملہ کے حالات سے خوب واقف ہیں اور اس شہادت کو چھپانا جرم سمجھتے ہیں۔ کہ بٹالہ سٹیشن کا عملہ نہایت محنتی اور با اخلاق ہے اور پبلک کو کسی قسم کی شکایت کا موقعہ انہوں نے آجتک نہیں دیا خصوصاً بابو جیون جان صاحب سٹیشن ماسٹر کیوقت سے تو اور بھی اچھی عمدگی اور خوبی پیدا ہوگئی ہے کیونکہ وہ خود ایک منکسر مزاج اور ٹھہری ہوئی طبیعت کے با اخلاق انسان ہیں اور ہندو مسلمان دونوں ان سے خوش ہیں۔ اپنے فرض کو نہایت نیک نیتی سے ادا کرتے ہیں۔ مہر عبدالرحیم کو انپر اسلیئے غصہ ہے کہ کیوں انہوں نے انکی بیجا حمایت نہیں کی۔ اور اپنے فرض کو ادا کیا۔ مہر صاحب کی شکایت کی لغویت اسی سے ظاہر ہے اور جبکہ عدالت نے اس معاملہ میں مہر عبدالرحیم کے خلاف فیصلہ دیدیا ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اب یہ سوال نہ اٹھایا جاوے کہ کیا ایسی حالت میں مہر عبدالرحیم میونسپل کمشنر رہ سکتا ہے۔ اس پر شاید مجھے میرا فرض لکھنے کے لیئے مجبور کرے بہر حال سٹیشن بٹالہ کا عملہ ایک مستعد محنتی اور اپنے فرض کو ادا کرنے والا عملہ ہے اگر اس نے کسی شخص کو خلاف قانون کارروائی کرنیسے روکا اور اپنا فرض ادا کیا۔ تو وہ میونسپل کمشنر تو کیا۔ اگر مجسٹریٹ بھی ہو اور اس کی شکایت کرے تو ایسی شکایت تھوک دینے کے قابل ہے۔

(باقی عند الضرورت)

قادیان میں ہسپتال کی تجویز

ناظرین الحکم کو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ قادیان میں ایک ہسپتال کا بنانا تجویز کیا گیا ہے۔ اور زنانہ اور مردانہ دو جدا جدا ہسپتال ہوں گے۔ ایسا ہی ایک مسجد حضرت ام المومنین علیہا السلام کے نام پر تعمیر ہوگی۔ ان ہر سہ اغراض کے لئے ۱۵ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ ہسپتال کے لئے تو سب سے چندہ لیا جائیگا اور لیا گیا ہے۔ مگر مسجد خصوصیت سے احمدی قوم ہی بنائے گی۔ اگرچہ ہسپتال کی تحریک متواتر نہیں ہو سکی۔ تاہم اکولہ ملک برار سے حافظ نور احمد صاحب نے اس چندہ میں شمولیت کے لئے سب سے اول قدم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور دوسروں کو اس کی توفیق۔ ہسپتال کے لئے چندہ سر دست حضرت میر ناصر نواب صاحب کے نام آنا چاہیئے۔ جو دفتر محاسب میں جمع کراتے ہیں میر صاحب موصوف کا ارادہ ہے۔ کہ میں اس رقم چندہ کو پورا کرنے کے لئے دورہ کروں۔ اس لئے احباب کو چاہیئے کہ انہیں اس امر کی احتیاج نہ رہنے دیں۔ کہ وہ دورہ کیلئے نکلیں اس رقم کو پورا کرنے کے لئے بہت بڑی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہمت کے آگے کوئی چیز انہونی نہیں خصوصاً جبکہ خدا کا فضل ساتھ ہو۔

دار الامان کا ہفتہ

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت نصیب اعداء دو دن اچھی نہیں رہی۔ اب آرام ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

۲۔ حضرت ام المومنین اور آپ کا خاندان اللہ تعالیٰ کے فضل سے تندرست ہے۔

۳۔ فاضل امروہی وطن تشریف لے گئے ہیں۔

۴۔ موسم تبدیل ہو رہا ہے۔ آسمان پر گرد و بادل چھایا ہوا ہے۔ بارش کی امیدیں ہیں اور سرد ہوائیں چل رہی ہیں۔

۵۔ سردار بساوا سنگھ ناظم ریاست اجے گڈھ جو قادیان ہی کے باشندے ہیں۔ قادیان میں آئے ہوئے ہیں آپ ایک خوش اخلاق اور منکسر المزاج عہدہ دار ہیں۔ اتنے بڑے منصب پر ممتاز ہو کر فروتنی اور انکساری قابل قدر جوہر ہیں۔ آپ نے ہسپتال فنڈ میں ایک معقول رقم دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ باقی پھر

لوحِ مزارِ مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پُرانوار کے لئے حضرت فاضل امروہی نے ایک لطیف کتبہ لکھا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہی کتبہ لکھا جاویگا یا کچھ اور۔ مگر یہ کتبہ بہت ہی قابل قدر اور علمی معلومات سے لبریز ہے۔ اس لئے میں الحکم میں درج کردیتا ہوں۔ ایڈیٹر۔

کتبہ

مزارِ حضرت فردوس آشیانی
جناب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
حامداً و مصلیاً

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ مرزا غلام احمد
مسیح وقت و مہدی ہم مجدّد بر سر این صد

حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء[1] کی بعثت بلحاظ ظہور دعوت کے آخر سنہ ۱۳۰۰ھ اور شروع ۱۳۰۱ھ میں واقع ہوئی۔ جیسا کہ حدیث صحیح ابوداؤد و مستدرک حاکم کا منطوق ہے۔ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ۔ الحدیث۔ یعنی بہ تحقیق خود اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ کے دینی نفع رسانی کے لئے ہر صدی کے سر پر مبعوث اور مرسل فرماتا ہے۔ جو دین اسلام کی تجدید تمام امت کے لئے کرتا ہے اور دین السلام کو تازہ کردیتا ہے۔ آپ کا نام مبارک غلام احمد قادیانی بھی اسی کی طرف مشیر ہے۔ سچ ہے کہ الاسماء تنزل من السماء یعنی ایسے مقربین کے نام بھی آسمان سے ہی نازل ہوتے ہیں۔ بعہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات سے اس سے پیشتر بھی اوائل عمر سے ہی تائید دین اسلام کے لئے ایسے کام صادر کرائے جن سے دین اسلام کی تجدید ہوتی رہی و لنعم ما قیل ؎

سالیکہ نکوست از بہارش پیدا است

خصوصاً ۱۲۹۰ہجری سے حسب الحکم پیشین گوئی مندرجہ قرآن مجید و حدیث صحیح متفق علیہ یعنی آیت و آخرین منھم لما یلحقوا بھم اور حدیث لو کان الایمان او العلم معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس کے ۱۲۷۵ ہجری سے بہار دین اسلام کا آغاز ہو چلا تھا۔ جس کا حضور تام آغاز سنہ ۱۲۹۰ ہجری سے ہوا کیسی صادق ہوئی۔ مثل مشہور ہندی کی ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ دین اسلام کی تائید اور تمکین میں آنجناب فردوس آشیان جملہ مجددین و اولیاے سابقین امت محمدیہ سے بدرجہا افضل اور عظیم الشان تھے کیونکہ لقب نبی اللہ کا حضرت سید المرسلین صلعم کی طرف سے اور نیز سلام کا پہنچانا ایک خصوصیت کے ساتھ آپ ہی کے لئے وارد ہوا ہے۔ اور کسی کے لئے وارد نہیں ہوا دیکھو صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث کو من ادرک منکم عیسی بن مریم فلیقرأ من السلام آپ کا تفرد فضائل تبلیغ دین اسلام میں اور کشف معارف قرآنی میں اظہر من الشمس ہے۔ قوم سکھوں پر جو اتمام حجۃ فرمایا ہے۔ بابا نانک صاحب کی وفات کے بعد کسی مجدد نے یا سلاطین اسلام میں سے کسی سلطان اسلام نے نہیں کیا۔ قوم سکھوں میں جو پہلے تعصب و عناد مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ وہ اب رفع ہوتا چلا جاتا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ان کی نسلیں اسلام میں بھی داخل ہو جاویں۔ صدق اللہ تعالیٰ لیظھرہ علی الدین کلہ۔ جو کسر صلیب حسب مراد و مضمون صحیح حدیث کے آپ نے فرمایا ہے۔ وہ آپ ہی کا حصہ تھا کہ یبطل دین النصرانیۃ بالحج والبراھین جن علمائے نے حضرت عیسیٰ کو زندہ بجسد عنصری آسمان دوم پر چڑھا رکھا ہے۔ وہ کیا کسر صلیب کر سکیں گے۔ کیونکہ ایسا اعتقاد رکھنا تو ایک ستون شرک کا اور دین عیسوی کی سرتاپا تائید کرنا ہے۔ اور دین اسلام کی توہین کرنا۔ کتب و رسائل عربی۔ فارسی اور اردو متحدیانہ کثرت کے ساتھ ایسی زبردست تحدّی کے ساتھ تصنیف فرمائیں۔ جن کا مقابلہ آج تک کوئی مخالف اندرونی اور بیرونی ہرگز نہیں کر سکا۔ کشف حقائق امارات ساعت اور توضیح نشانات قیامت میں بھی آنجناب متفرد ہیں جن کے کشف حقائق میں پہلے مجددین اور اکابر علمائے محدثین و مفسرین امت محمدیہ کے حیران تھے۔ پس آپ کی ذات بابرکات سے وہ پیشگوئی مندرجہ قرآن مجید بھی بخوبی پوری ہوگئی۔ جو دوبارہ آمد مسیح کے لئے ارشاد فرمائی گئی تھی۔ کہ انہ لعلم للساعۃ یعنی بے شک وہ مثیل ابن مریم قیامت کے لئے موجب علم کا ہوگا۔ اس لئے مسیح موعودؑ کا وجود باجود باتفاق محدثین کے ایک علامت تھا۔ علامات قیامت سے آپ کے دعاوی کی خصوصیت اور صداقت کا یہ کسقدر نشانِ عظیم الشان ہے۔ جو حدیث صحیح متفق علیہ میں آیا ہے کہ لن یقبض نبی حتی یری مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر یعنی آنے والے زمانہ آخری میں ایک نبی ہرگز قبض روح نہ کیا جاویگا۔ یہاں تک کہ دکھلایا جاوے گا۔ اس کو مقام اس کا جنت میں سے۔ پھر وہ اختیار دیا جاوے گا یعنی خواہ دُنیا میں رہے یا فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر رفیق اعلیٰ کا قرب اختیار کرے۔ اس حدیث کے مصداق کامل آپ تھے۔ کیونکہ اس کلام نبوّت میں صرف لن موجود ہے۔ جو خاص واسطے استقبال کے آتا ہے اور اس حدیث صحیح متفق علیہ کے آپ کو پیشتر دو نیم سال وفات کے مقبرہ بہشتی دکھلایا گیا۔ اور اسی کشف اور دیگر الہامات کے مطابق رسالہ الوصیت تمام دُنیا میں شائع کیا گیا۔ اور ایک محکمہ دفتر وصایا مقبرہ بہشتی کا قائم کیا گیا۔ جس کا انچارج یہی خاکسار ہے۔ د والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ اور جیسا کہ حضرت خاتم النبیین صلعم نے بوقت نزول سورۃ النصر والفتح وغیرہ کے ارشاد و اخبار فرمایا تھا۔ جس کو بعض صحابہ بھی سمجھ گئے تھے۔ کہ مجھ کو اپنی وفات کی خبر اس سورت کے نزول سے دی گئی ہے متفق علیہ اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کو بڑی کثرت سے الہامات وفات کے نازل ہوئے۔ دیکھو رسالہ الوصیت۔ ریویو و تشحیذ الاذہان

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وکیل اور رسول بصفات انبیاء کے حلے پہنچے ہوئے عرب وکیل کو جری اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ اپنے موکل کے مجری و طریقہ پر قولاً و فعلاً جاری ہوتا ہے۔ مختار الصحاح

وبدر اور الحکم کو جو مطبوعہ ہیں بیشتر آپ کی وفات سے دو نیم سال دُنیا میں شائع ہوئے ہیں۔ اور ثم یخبر پر جس طرح حضرت خاتم النبیین صلعم نے رفیق اعلیٰ میں رہنا پسند فرمایا۔ جس پر فاختار ما عندہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ اسی طرح پر بعد بعد دکھلائے جانے بہشتی مقبرہ کے حضرت اقدس نے بھی قرب الٰہی میں رہنا پسند کیا۔ جو آپ کی اکثر کلاموں سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں ؎

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی
دے شربت تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

اور جیسا کہ حضرت خاتم النبیین صلعم نے امت محمدیہ کی نسبت ارشاد فرمایا تھا۔ انی لست اخشی علیکم ان تشرکوا بعدی ولکنی اخشی علیکم الدنیا ان تنافسوا فیھا یعنی بہ تحقیق میں نہیں ڈرتا ہوں تم پر مشرک اور کافر ہونے سے پیچھے مرے ولکن ڈرتا ہوں میں تم پر دُنیا سے کہ تم رغبت کرنے لگو اُس میں۔ اسی کے قریب قریب رسالہ الوصیت مطبوعہ قبل از وفات دو نیم سال میں موجود ہے۔ اور بعض روایات میں آنحضرت صلعم کی وفات بروز منگل ہوئی ہے۔ بروز محمدی کی وفات بھی بروز سہ شنبہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو واقع ہوئی۔ اور ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو آپ دفن کئے گئے۔ جیسا کہ الہام مطبوعہ میں واقع ہوا ہے کہ ۲۷ تاریخ کو ہمارے متعلق ایک واقعہ واللہ خیر و ابقیٰ اور جس طرح پر رسول کریم صلعم فرط اور میر منزل ہو کر پیشتر اکثر افراد صحابہ سے وفات پا گئے۔ کمال قال انی بین اید یکم فرط اسی طرح پر حضرت اقدس کا وفات پا جانا بھی جماعت احمدیہ کے لئے ایک طرح کی رحمت الٰہیہ ہے۔ کہ ہمارے لئے آپ میر منزل ہوئے۔ خصوصاً جبکہ قدرت ثانیہ کے ظہور کا بھی ہم کو لحاظ ہووے۔ رفع غم و اداسی کے لئے حدیث ابی موسیٰ اشعری کی یاد رکھنی چاہئے۔ جس میں آپ کی وفات کو بھی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ مگر اُنہیں لوگوں کے لئے جو آپ کے پیرو ہو کر تائید دین اسلام میں ساعی اور کوشاں ہوں ورنہ پھر تو عذاب اور ہلاکت کے سوا اور کیا متصور ہو سکتا ہے۔

سید محمد احسن امروہی افسر مقبرہ بہشتی

اسلام کی گراں قدر تعلیم

قبل اس کے کہ اس مضمون کو۔ جس پر میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ شروع کروں۔ یہ بیان کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ انسان اپنے خیالات کو دو طریقوں سے ظاہر کر سکتا ہے (۱) قابلیت اور لیاقت سے (۲) دلی خلوص اور صداقت سے

قابلیت اور لیاقت الفاظ و عبارات کو شستہ معانی و خیالات کو قابل پسندیدگی بنانے میں مدد دیتی ہے۔ لیکن دلی خلوص اور صداقت اُن الفاظ و عبارات معانی و خیالات میں موثریت کی پاکیزہ و موثر اور مقدس روح پھونکتی ہے۔ جس لیکچرار یا سپیکر۔ واعظ یا سرمن رائٹر کی تقریر یا وعظ ظاہری لفاظیوں اور خیالی بلند پروازیوں سے مملو و مشحون ہو۔ اُس کا اثر صرف اُنہی لوگوں پر ہو سکتا ہے۔ جو ظاہری انشا پردازی اور خیالی بلند پروازی کے شیدائی و قدر شناس ہوں۔ لیکن دوسری طرح کی تقریر یعنے جو دل سے نکلی ہو۔ اُسے وہی لوگ پہچان سکتے ہیں۔ جو اپنے اندر دل رکھتے ہیں۔

یہ ایک نہایت قدرتی بات ہے۔ کہ ایک بات کے قبول کرنے کے لیئے دوسری طرف ایسا مادہ پہلے موجود ہونا ضروری ہے۔ جب تک دوسری طرف وہ مادہ تیار نہیں ہوتا اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ خواہ کتنی ہی قابل قبول چیز کیوں نہ ہو۔ قدرت نے زمین میں یہ مادہ ودیعت کیا ہے۔ کہ اپنے اپنے اوقات پر مختلف طرح کے کھیت پیدا کرے۔ جب تک وہ وقت نہیں آتا۔ اور وہ خاص مادہ۔ جو قدرت نے اس موسم کے کھیت کے لیئے اُس میں ودیعت کیا ہے۔ تیار نہیں ہوتا۔ خواہ کتنی ہی بارشیں ہوں۔ کسی حسن ترتیب سے قلبہ رانی کی جائے وہ کھیت پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیوں؟ صرف اس لیئے کہ دوسری طرف اُس کے موثر اثر کو قبول کرنے کا مادہ موجود نہیں تھا۔

انسان میں دیکھئے۔ ادھر قدرت نے اس کے لئے کئی طرح کے الوانِ نعمت کھانے پینے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ادھر انسان میں اُن کی زبردست خواہش کا مادہ پیدا کیا ہے۔ کہ ادھر کھانا تیار ہوتا ہے۔ اُدھر وہ قدرتی مادہ جوش زن ہوتا ہے۔ جسے بھوک کہتے ہیں۔ اور اُسی وقت کا کھانا کھایا ہوا انسانی جسمانی و روحانی تکمیل و بقا کا موجب ہوتا ہے۔

ایسا ہی ایک انسان کے معقول و دل پسند بات قبول کرنے کے لیئے اندر ہی میں قدرت نے ایک مادہ رکھا ہے۔ ذہانت اور سعادت۔ ذہانت ایک انسان کو دوسرے کی قابلانہ تقریر کی قدر شناسی پر آمادہ کرتی ہے۔ اور سعادت مندی نیک دلی اُس کے درد دل کی تشخیص اس میں پیدا کرتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جماعت میں بہت سے لڑکے ہوتے ہیں۔ مگر ایک قابل۔ ذہین۔ استاد کی صرف وہی لڑکے قدر کر سکتے ہیں۔ جو قابلیت اور ذہانت کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس لیئے کہ ایک معقول بات اُن کے ایک گمشدہ محبوب کی تصویر ہے جس کا الفت اور شناخت قدرت نے اُن میں رکھی ہے۔ اور اب کوئی دوسرا ہم طبیعت اُسے ظاہر طور پر اُسے دکھاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک قابل۔ ذی شعور آدمی کو ایک معقول اور مطابق فطرت بات سُنائی جاتی ہے۔ تو اُس کے چہرے پر ایک خاص طرح کی بشاشت اور رونق آ جاتی ہے۔ جیسے کسی کو ایک پُرانے جُدا شدہ دوست کی ملاقات سے حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ایک خیال ایک طبیعت کے انسانوں میں دوستی اور محبت ہوتی ہے۔

ہمارے قرآن شریف کی تعلیم بالکل انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اور اُس کی اصلی شناخت قدرت نے اُس کے دل میں ودیعت کر دی ہے۔ اس لیئے خدا پاک فرماتا ہے۔ کلا انھا تذکرۃ۔ یعنے جو کچھ ہم تم کو کہتے ہیں۔ یہ کوئی نئی تعلیم نہیں بلکہ اس سب کا خاکہ ہم نے تمہارے صفحہ ہستی پر کھینچ دیا ہے جس سے تم کسی قدر غافل ہو گئے ہو۔ جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے واللہ مخرج ما کنتم تکتمون یعنی اللہ تعالیٰ اُس چیز کو نکالتا ہے۔ جسے تم چھپاتے ہو۔ کیونکہ واقعی خداوند تعالیٰ کی محبت اور معرفت انسان کے دل میں جبلی طور پر پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اصل مضمون میں اسے مفصل طور پر بیان کرینگے۔ اور یہ وہی تصویر یار ہے۔ جیسے کسی شاعر نے بیان کیا ہے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی۔ دیکھ لی

قرآن شریف نے اس پُر حکمت فلاسفی کو مختلف صورتوں میں

مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وارد ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ یعنی قدرت نے برائی اور بھلائی کا مادہ انسانی فطرت ہی میں رکھ دیا ہے۔ جو اپنے نفس کو اچھے استعمال میں لگائے۔ خدا کا نیک بندہ ہوسکتا ہے۔ اور جو برے طور پر استعمال میں لائے۔ وہ بُرا اور بد اور شیطان ہوگا۔ اکثر وہم پرست لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اکثر تکالیف و آسیب ایسے اسباب سے اُن پر آجاتے ہیں۔ جو اُن کی ذات اور علم سے مطلقاً خارج ہوتے ہیں۔ لیکن ایک معقول اور سعید فطرت نیز ہمارا پاک اور پیارا قرآن شریف اسے مردود ٹھہراتا ہے۔ جیسے فرماتا ہے طائرکم معکم یعنی تمہاری بدفالیاں یعنی تکالیف تمہارے اور تمہاری اپنی ہی وجہ سے ہوتی ہیں۔

ایسا ہی اصلی نیکی اور خدا بینی کسی عارضی خارجی چیز سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ انسانی ذاتی سعی اور ریاضت کو اس میں دخل نہ ہو۔ جیسے خدا پاک فرماتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعٰی وان سعیه سوف یرٰی۔ یعنی انسان کی خوشحالی اور کامیابی اس کی اپنی سعی یعنی قویٰ اندرونی و بیرونی کے نیک اور مناسب استعمال میں مخفی اور پوشیدہ ہے۔ جن لوگوں نے تقاضائے فطرت پر کبھی غور کی ہے۔ وہ روز روشن کی طرح سمجھتے اور جانتے ہیں۔ کہ انسان کی سچی اور اصلی خوشی اسی امر میں منحصر ہے۔ کہ انسان اپنی قوتوں سے کام لے یا دوسرے لفظوں میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دے۔

اس کے برخلاف جب قویٰ کے استعمال سے غفلت کی جاتی ہے۔ تو قدرت اپنی روح اُن سے سلب کر لیتی ہے۔ جو اُس نے قویٰ اور اعضائے بدنی میں رکھی ہوتی ہے۔

مثلاً ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک آدمی جس نے ہاتھ سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ اس کے ہاتھ نہایت کمزور اور بے طاقت ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک لوہار کے ہاتھ بڑے مضبوط اور طاقت ور ہوتے ہیں۔ جو لوگ دماغ سے کام نہیں لیتے اُن کا دماغ کام نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک آدمی ذرا بڑا ہو کر کسی امر میں پوری قابلیت حاصل نہیں کرسکتا۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک آدمی۔ جو چالیس برس سے متجاوز ہو کر شادی کرتا ہے۔ اُس کی اولاد کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس نے ایک قوت سے ہر وقت کام نہیں لیا۔ ایسا ہی انسان کی روحانی بھی طاقتیں اور قوتیں ہیں۔ اگر اُن سے ایک عرصہ کام نہ لیا جائے تو وہ بالکل بے کار اور بے سود ہو جاتی ہیں۔ جیسے ایک پانی جس کا کام اور گندگیوں کو دور کرنا ہے۔ کئی دن ایک جگہ رہنے اور قوت سیلان سے کام نہ لینے سے اُلٹی گندہ دماغی کا موجب بن جاتا ہے۔

بالکل اس قدرتی اور فطرتی تقاضے کو خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں یوں بیان فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ۔ یعنی جن لوگوں نے اپنی اچھی اور نیک باتوں کے سمجھنے اور تشخیص کرنے میں صرف نہیں کیا۔ قدرت نے ان سے بھی روح کھینچ لی۔ اور اُنہیں ویران کر کے اُن پر مہریں لگا دیں۔ ایسا ہی جس کے کان اچھی باتوں کے سننے میں استعمال نہیں ہوئے۔ اُن سے قدرت قوت سامعہ چھین لیتی ہے۔ ایسا ہی جو لوگ اپنی قوت باصرہ کا نیک استعمال نہیں کرتے۔ قدرت اُن سے بھی اپنا پاکیزہ اثر اٹھا لیتی ہے اور ایسے غافل اور بے پرواہ انسانوں کو اس حالت میں چھوڑتی ہے کہ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ۔ کان کے بہرے۔ آنکھ کے اندھے۔ زبان سے گنگ۔ یعنی اُن کی انسانی قویٰ سلب کر لی جاتی ہیں۔ صرف حیوانی کان۔ آنکھ۔ زبان باقی رہ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے دوسری جگہ پر قرآن شریف ایسے انسانوں کو حیوان بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر بتلاتا ہے۔

کالانعام بل ھم اضل

وہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہیں کیونکہ انسانوں نے ایک نعمت کو پا کر کھو دیا ہے۔ اسی لئے خداوند تعالیٰ نے ایسے انسانوں کو اپنی جان پر ظلم کرنے والوں میں شمار کرتا ہے۔ جیسے جا بجا فرماتا ہے۔ ظلموا انفسھم۔ ظلموا انفسھم۔

کیونکہ قدرت نے انسان کو طاقتیں دی تھیں۔ اگر یہ انہیں بہتر استعمال کرتا۔ تو ضرور اُس کمال خوشی سے مسرور ہوتا۔ جیسے خداوند تعالیٰ نے آنکھوں کی ٹھنڈک کے دل بہلانے والے نام سے یاد کیا ہے۔ جیسے فرماتا ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون۔ یعنی کسی کو معلوم نہیں۔ کہ ہم نے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک اُن کے لئے چھپا رکھی ہے۔ وہ ان کے عملوں کی جزا ہے۔

یہاں پر محاورۂ عربی کے علاوہ قرۃ اعین ایک خاص لطیف بات اپنے اندر رکھتا ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانی پیدائش کا زیادہ تر مدعا ان تین قوتوں کا استعمال میں لانا ہے۔ کان۔ آنکھ۔ دل۔ جیسا کہ وارد ہے الذی احسن کل شیءٍ خلقه وبدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلٰلة من ماء مھین ثم سوٰه ونفخ فیه من روحه وجعل لکم السمع والابصار والافئدة قلیلاً ما تشکرون۔

مجھے تنگیٔ وقت اجازت نہیں دیتی۔ کہ میں اس آیہ کا پورا ترجمہ کروں۔ کیونکہ اصل مضمون ابھی میں نے شروع کرنا ہے۔ البتہ یہ کہونگا کہ یہاں پر خداوند تعالیٰ نے انسانی پیدائش کو انہیں تین قویٰ کے استعمال پر مرتب کیا ہے۔ اور انہیں کی بد استعمالی یا غیر استعمالی کو مورد کفران نعمت و ناشکر گذاری قرار دیا ہے۔ اسی واسطے ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنه مسئولا۔

ان تینوں کے نیک استعمال کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان خداوند تعالیٰ کو چشم بصیرت سے دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ انسان کو دنیا میں خداشناسی کی آنکھیں ملتی ہیں۔ جو یہاں نہیں دیکھتے وہ کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ وارد ہے من کان فی ھذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلا۔ یعنے جس نے دُنیا میں خداوند تعالیٰ کے دیکھنے کی آنکھیں نہیں پائیں۔ وہ آخرت میں بھی محروم رہیگا۔ و ذالک ھو الخسران المبین۔

اب میں اس امر کے بین اور ظاہر ثبوت میں کہ واقعی انسان کی جسمانی روحانی ترقی اور کمال اندر ہی کی طاقتوں کے استعمال کا نام ہے۔ قرآن شریف کی ایک مختصر سی سورۃ پیش کر کے اصل مضمون شروع کرتا ہوں۔

والعٰدیٰت ضبحاً فالموریٰت قدحاً فالمغیرٰت صبحاً فاثرن به نقعاً فوسطن به جمعاً۔ ان الانسان لربه لکنود۔ ان آیات کی اگر پوری تشریح

کی جائے۔ تو ایک الگ مستقل مضمون ہو جائیگا۔ کیونکہ قسم کا ذکر ہی ایک ایسا ہے۔ جس پر بہت لمبی بحث ضروری ہے۔ مگر میں قسم کے متعلق صرف یہ کہنا کافی سمجھونگا۔ کہ قرآن شریف میں جتنی قسمیں ہیں۔ سب مدعا شہادت اور گواہی ہوتا ہے۔

اس سورت کے لوگوں نے کچھ معنے کئے ہیں۔ مگر میں یہ کرتا ہوں "قسم ہے یعنے پیش کئے جاتے ہیں تمہارے غور کیلئے وہ نفوس ریاضیہ۔ جو خداوند تعالیٰ کے راستے میں ریاضتیں کرتے کرتے ہانپ جاتے۔ یعنی پسینے کی طرح طبعی فضلات کو خارج کر دیتے ہیں۔ پھر اپنی چقماق فطرت سے آگ نکال لیتے ہیں۔ پھر اس کے ذریعہ سے اپنے اندر صبح یعنی ایک روشنی پاتے ہیں جس کے باعث سے دل کے تمام شکوک و شبہات کے غبار کو اڑا دیتے ہیں۔ اور ایک اطمینان خاطر کی حالت میں ہو جاتے ہیں۔ بیشک وہ انسان جو اس طرح سے اپنی خدا داد قوتوں سے کام لیکر اپنے آپ کو پاک اور صاف نہیں کرتے۔ وہ نہائت ہی ناشکر گزار انسان ہیں۔ جیسا کہ پہلی آیہ میں آنکھ۔ ناک دل کی غیر استعمالی پر فرمایا ہے۔ قلیلاً ما تشکرون

سو اب میں اپنا مضمون شروع کرتا ہوں۔ اور امید ہے کہ جس طرح میں درد دل سے کہتا ہوں۔ اسی طرح آپ صاحبان اسے دل میں جگہ دیں گے۔ ہر چہ آمد از دل بنشیند در دل۔ و ہو ہذا۔

یہ ایک نہائت عام اور مشہور بات ہے۔ کہ اسلام اور اُس کی حقیقت پانچ اصولوں پر مبنی ہے جنہیں ارکان اسلام کہتے ہیں۔ گو ظاہر میں پانچ ہی ارکان ہیں۔ مگر درحقیقت وہ پانچ ارکان تمام فطرتی اور طبعی جذبات اور مقتضیات کی اصلاح اعلیٰ اخلاقی فضیلت۔ پوری روحانی کمالیت کی پُر اثر تعلیم اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جن لوگوں نے انسانی فطرت اور اس کی پُر حکمت ساخت پر بغور نظر کی ہے۔ وہ نہائت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ قدرت نے انسانی اندرونی بیرونی تکمیل اس مبارک عدد کے سپرد کی ہے۔ انسان کی بیرونی تکمیل پانچ قوتوں سے ہوتی ہے۔ جنہیں حواس خمسہ ظاہریہ کہتے ہیں مثلاً باصرہ۔ سامعہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔ لامسہ۔ اس کے مقابل میں قدرت نے دنیا کی تمام چیزوں میں یہ اثر ودیعت کر دیا ہے کہ ان پانچ حسوں سے ہی محسوس ہوں۔

ایسا ہی انسان کی اندرونی تکمیل اُن پانچ طاقتوں سے ہوتی ہے۔ جنہیں حواس باطنیہ کہتے ہیں۔ مثلاً حس مشترک خیال۔ متصرفہ۔ وہم۔ حافظہ۔ حس مشترک کی طرف تمام صور محسوسہ متعادی ہوتی ہیں۔ اور یہ اُن میں امتیاز کرتی ہے۔ اور اس جہت سے تمام مدرکات ظاہریہ اس حس مشترک اور اس کے تابع ہیں۔ قوت خیال جسے قوت متصورہ بھی کہتے ہیں ان صور محسوسہ کو۔ جنہیں حس مشترک قبول کرتی ہے۔ غائب ہو جانے کے بعد نگاہ رکھتی ہے۔ قوت متصرفہ کا کام ہے۔ کہ حس مشترک سے محسوس شدہ اور قوت خیال کی نگاہ داشتہ صورتوں میں تصرف کرے۔ وہم محسوسات کے متعلق معانی جزئیہ کو ادراک کرتا ہے۔ جیسے مخالفت۔ مطابقت وغیرہ۔ قوت حافظہ۔ یہ وہم سے حاصل شدہ معانی کو محفوظ رکھتی ہے۔ اور اس لئے اس کو قوت واہمہ کا خزانہ کہتے ہیں۔

اگرچہ یہ قوا اور حواس ظاہریہ و باطنیہ کے مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ مگر دراصل یہ سب ایک دوسرے کا ظل اور پرتو اور سبھی ایک قوت حاکمہ یعنے حس مشترک کے ماتحت کام کرتی ہیں۔ اور ان سب کا ایک دوسرے سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ ہم ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ جسمانی اوضاع و اطوار کا انسانی روح پر اور انسان کے روحانی حالات کا اُس کے جسم پر بہت قوی اثر ہے۔ مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں۔ خواہ وہ تکلیف سے ہی کیوں نہ ہو۔ اُن آنسوؤں کا ایک شعلہ دل پر جا پڑتا ہے۔ اور دل بھی آنکھوں کی پیروی میں غمگین ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ جب انسان ہنسنا شروع کرے۔ تو قدرتاً اُس کے دل میں ایک طرح کا انبساط آجاتا ہے۔ ایسا ہی جب ایک انسان اکڑ اور اترا کر چلتا ہے۔ تو قدرتاً اس کے دل میں غرور اور تکبر آجاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہزاروں ایسی مثالیں ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان کی جسمانی حرکات و سکنات کا اس کی روحانی حالتوں پر ایک زبردست اثر ہے۔ ایسا ہی برعکس یعنی روحانی حالات کا بھی جسم پر خاص اثر ہوتا ہے۔ جب کسی شخص کو کوئی غم پہنچے تو وہ ضرور چشم پُر آب ہو جاتا ہے۔ کسی قسم کی خوشی پہنچنے پر اُس کے چہرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہوتے اور دانت ہنسنے لگتے ہیں۔ جس قدر ہمارا کھانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ حرکت کرنا آرام کرنا وغیرہ افعال طبیعہ ہیں۔ اُن کا ضرور ہمارے روحانی حالات پر بہت بڑا اثر ہے۔ ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں۔ غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھلاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس کا راز کھولنا انسان کا کام نہیں ہے۔

اس بات پر اس سے زیادہ دلیل یہ ہے۔ کہ روح کا منبع اور اصل جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتوں میں روح کہیں باہر سے نہیں آتی بلکہ اندر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور انسانی جسم کے نشو و نما کے ساتھ ترقی پکڑتی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ قوار جو اندرونی طور پر اس کے زیر اثر ہیں۔ انسانی جسم کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ بڑھتے اور ترقی پاتے ہیں۔ اور جب انسان جسمانی طور پر کامل ہو جاتا ہے تب وہ قوار اور روح بھی کامل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک انسان کے نبی اور رسول کی حیثیت سے ملہم ہونے کیلئے پختگی عمر کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ انسانی پیدائش کے متعلق خداوند تعالیٰ کے پاک کلام سے اس طرح پتہ لگتا ہے۔ کہ "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين" "ثم جعلناه نطفة في قرار مكين" "ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاماً فكسونا العظم لحما۔ ثم انشأناه خلقاً آخر۔ فتبارك الله احسن الخالقين" اس آیۃ مبارک کی تفسیر میں اگر اُن تمام ان پُر حکمت خدائی کاریگریوں اور انسان کی اعلیٰ اور حیران کن ترتیب اور بناوٹ کے متعلق لکھا جائے تو یہ بالکل الگ اور ایک مستقل مضمون ہوگا۔ جو ما نحن فیہ سے غیر متعلق ہے۔ میں صرف یہی بتلاؤں گا۔ کہ خداوند تعالیٰ انسان کی اندرونی ساخت کو بھی اس کی بیرونی اور ظاہری بناوٹ کے ساتھ شامل اور ملحق کرتا ہے۔ جیسے آیتہ ثم انشاناه خلقاً آخر۔ صاف بتلا رہی ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ انسان عالم صغیر اور باقی تمام دنیا عالم کبیر ہے۔ جو چیزیں تمام عالم میں منفرداً اور علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں۔ وہ انسان میں ایک مختصر پیمانے پر

مجتمعاً پائی جاتی ہیں۔ مثلاً دُنیا میں آسمان۔ زمین۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ ستارے سبھی چیزیں ہیں۔ زمین پر حیوان اور کئی چیزیں ہیں۔ فرشتے اور ایک اُن میں سے برتر اور کمال مجسم ہستی ہے ایسے ہی بعض انسان آسمانی صفات سے متصف۔ بعض آفتابی اور ماہتابی خوبیاں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ایسے ہی دوسرے پہلو پر کئی حیوانی طاقتیں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور اپنی تمام قوتوں کو صرف اُسی حد تک کام میں لا سکتے ہیں جس حد تک ایک حیوان کی قدرت اور طاقت میں ہیں۔ بعض اُنہیں کسی نیک اثر کے زیر سایہ ہو کر اچھے اور احسن طریق سے استعمال کر کے انسانی فضیلت سے حصّہ لیتے ہیں۔ بعض اس سے ترقی کر کے اپنے طبعی حالات اور تقاضوں کو زیادہ پاکیزہ اور صاف کر کے روحانیت کے درجہ کو پہنچتے اور انسان باخدا ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے انسانی حالات کو تین طرح سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ حالتیں جو قدرتی طور پر اُس سے ظاہر ہوں۔ اور کسی انسانی اصلاح وغیرہ کو اُس میں دخل نہ ہو۔ ایسی حالت طبعی یا جسمانی کہلاتی ہے۔ دوسرے وہ جن میں انسانی اصلاح نے دخل کیا ہو۔ یعنی ان طبعی جذبات اور مقتضیات کو موقعہ مناسب اور محل پر استعمال کیا گیا ہو۔ اس صورت میں ان حالات کا نام اخلاقی ہو جاتا ہے۔ تیسرے اُنہیں اخلاقی حالات کو اعلیٰ حد کمال تک پہنچانے سے ایک پاکیزہ زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اسے روحانی حالت کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ وہ مطمئن اور باتسکین حالت ہے جسے خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہشتی زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسے فرماتا ہے۔ "یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ"۔

سو انسان میں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تین طرح کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ اس کی وحشیانہ حرکات و سکنات انسانی آداب و عادات سے بدلیں۔ جیسے پورٹ بلیر کے جنگلی انسانوں میں پہلے اس قسم کی اصلاح عمل میں آ گئی دوسرے ان انسانی اداب کو ٹھیک موقع مناسب اور محل پر استعمال کر کے اخلاقی رنگ میں رنگا جائے۔ تیسرا ان اخلاق فاضلہ سے متصف لوگوں کو الٰہی تعلق سے مشرف کر کے انسان باخدا بنایا جاوے۔ انسان اور قرآن کریم کی تعلیم کو یہ سچا اور واجب فخر حاصل ہے۔ کہ اُسے ان انسانی تینوں اصلاحوں کا موقعہ ملا۔ اور اس کی تعلیم نے ثابت کر دیا۔ کہ واقعی ایک وحشی، ناشائستہ۔ غیر مہذب انسان باخدا ہو سکتا ہے۔ اور ہزاروں کو شربت وصل الٰہی سے سرشار کیا۔ اور ہمیشہ کے لئے ایسے اٹل اور محکم اصول وضع کئے۔ جو ہمیشہ کے لئے انسانی تکمیل کے متکفّل اور ضامن ہیں۔ یہ وہی پانچ اصول ہیں۔ جن کے متعلق اب ہم ذکر کرتے ہیں۔

منجملہ اُن طبعی امور کے۔ جن کا اظہار انسانی پیدائش سے وابستہ اور متعلق ہے۔ اور پیدا ہوتے ہی انسان سب سے پہلے اسی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ایک اعلیٰ اور برتر ہستی کی تلاش ہے۔ جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اُس وقت محسوس ہونے لگتا ہے جبکہ بچّہ ماں کے رحم سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی جو خاصیت دکھاتا ہے وہ یہی ہے۔ کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے۔ اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے۔ پھر جیسے جیسے حواس کھُلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت کھلتا جاتا ہے۔ یہ کشش جو اُس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ و روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کہیں آرام نہیں پاتا ہے۔ اگر اُس کے سامنے نعمتوں کا ڈھیر ڈال دیا جاوے۔ تب بھی وہ اپنی سچّی خوشحالی اپنی ماں کی گود میں دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کہیں آرام نہیں پاتا۔ سو وہ کشش محبت جو اسے اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے۔ درحقیقت یہ وہی کشش ہے۔ جو محبوب حقیقی کے لئے بچّہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلّقِ محبّت پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت وہی اصلی کشش کام کر رہی ہے اور جہاں کہیں عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے۔ درحقیقت اسی محبت کا وہی ایک عکس ہے۔ سو انسان کا دنیا میں کسی چیز سے بھی محبّت کرنا۔ یا کسی خوش آواز گیت کی طرف روح کا کھچا جانا درحقیقت اُسی گم شدہ محبوب کی تلاش ہے چونکہ اس دقیق در دقیق ہستی کو انسان اپنی جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی اپنی تمام عقل سے اُس کو پا سکتا ہے۔ اس لئے اس کی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگیں۔ اور سہو کاتبی سے اس کا حق دوسروں کو دیا گیا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی اور پوشیدہ ہے۔ اس لئے اس کی شناخت کے لئے یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ کافی نہ تھا۔ اور یہ وجہ ہے۔ کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ و احکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے۔ نہایت غور کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں گویا آسمان اور زمین کے اندر دھس گئے۔ مگر پھر بھی شبہات شکوک کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے۔ اور اکثر ان میں سے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں سے کہیں چلے گئے۔ اور اُن کو اُس قادر مطلق صانع برحق کی طرف کچھ خیال بھی آیا۔ تو بس اسی قدر۔ کہ اس عظیم الشان سلسلے کا جو ایک اعلیٰ اور پُر حکمت نظام پر مشتمل ہے کوئی بنانے اور پیدا کرنے والا ضرور چاہیئے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ معرفت ناتمام اور یہ علم ناقص ہے۔ کیونکہ اس کے کہنے سے اس سلسلے کے لئے کسی بانی یا صانع کی ضرورت ہے۔ یہ پتہ نہیں لگتا۔ کہ درحقیقت کوئی خدا ہے بھی۔ اور اس کی ایسی مثال ہے۔ کہ کسی مدرسہ یا کالج کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں کہ اس کا کوئی ہیڈ ماسٹر یا پرنسپل ہوگا۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ ایسے علم سے فائدہ۔ لہذا ضروری ہوا کہ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے موجود ہونے کو اپنے کام سے ظاہر کیا ہے۔ ایسا ہی اپنے کلام سے ظاہر کرے۔ اور انا الموجود کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بُلائے۔ اس لئے اسلامی ارکان میں سے پہلے رکن کا پہلا جزو یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس زبردست اور سب سے پہلے طبعی تقاضے کو اعلیٰ اخلاقی فضیلت میں کمال روحانیت تک پہنچانے کے لئے نہایت پاک تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے۔

لفظ اللّٰہ ایک عربی لفظ ہے۔ جس کی اصل صحیح طور پر ولہ ہے۔ جس کے معنی پُر سوز محبت اور عشق کے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس برتر ہستی کی تلاش انسانی جبلت اور فطرت میں مرکوز ہے۔ جیسے بچپن ہی میں انسان ظاہر کرنے لگتا ہے۔ مگر یہ قوت اُس وقت

اور بعد میں جب تک کہ کسی خاص ہدائت کے مطابق نہ ہو ایک وحشیانہ حالت کے ماتحت رہتی ہے۔ اسی لئے اکثر اس کا نتیجہ بہت خراب اور بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ضروری تھا۔ کہ اس طبعی تقاضے کے استعمال کے لئے خداوند تعالیٰ خود کوئی راہ بتلاتا۔ لہذا اُس نے راہ بتلائی۔ جو سب سے زیادہ سیدھی اور بالکل مستقیم ہے۔ اکثر لوگوں نے جنہیں خداوند تعالیٰ کا خیال ایک اچھی صورت میں بھی رہا۔ انہوں نے بھی اس کے طریق واصل علی المطلوب کے پہچاننے میں غلطی کی چنانچہ یہ خیال کیا۔ کہ خدائی معرفت کے لئے علم ضروری ہے۔ جیسا مشہور ہے کہ ؎

بے علم نتواں خدا را شناخت

اور پھر علم سے یہ عام مروّجہ کتابی علم مراد لیا۔ جیسے در حقیقت خدائی معرفت میں اتنا دخل نہیں۔ ایک غلط فہمی ہے بلکہ اس کی سچی معرفت کا ذریعہ اس کی سچی محبت اور عشق ہے۔ جو لوگ خداوند تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن مجید کو زیر مطالعہ رکھتے اور اس سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ وہ اس امر میں ضرور میرے ہم خیال ہونگے۔ کہ خداوند تعالیٰ انسان سے وہ تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جو دو اعلیٰ درجے کے دوستوں میں ہونا متصوّر ہو سکتا ہے۔ یعنی وہ چاہتا ہے۔ کہ انسان اپنی تمام جسمانی اور روحانی خواہشیں اور آرزوئیں اُس کی رضامندی کی خاطر چھوڑ دے۔ اور اپنے مال و جان کو اس پر قربان کر دے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ ان اللّٰہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنّۃ یعنی خداوند تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں۔ اس بدلے میں کہ اُن کو بہشت دیا گیا ہے یعنی اُن کی تمام نفسانی خواہشیں جن میں جسمانی و روحانی تمنائیں اور کامیابیاں سب شامل ہیں۔ خدا کی راہ میں قربان ہیں۔ اور اُنہوں نے اپنی ہستی کو من کل الوجوہ خداوند تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا ہے۔

ایسا ہی ایک اور جگہ پر وارد ہے۔ ما کان لمؤمن و مومنۃٍ اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم الخ۔ یعنی خداوند تعالیٰ کے فیصلہ پر کسی ایماندار کو۔ جو خداوند تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ رکھتا ہو۔ کسی قسم کے تامّل کی گنجائش نہیں۔

افلاطون اور بڑے بڑے فلاسفروں نے خدا کو نہ پایا۔ مگر سیدھے سادے آدمی حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ اور ایسے لوگوں نے ایسا پایا۔ کہ کسی نے نہ پایا۔ کیونکہ اُن کے دل میں محبت تھی۔ خداوند تعالیٰ کے پانے اور حاصل کرنے کا ذریعہ سچی محبت اور عشق ہے حتیٰ کہ وہ خود مجسم محبت ہی ہے۔ میں اس حقیقت پر پہنچ کر اس فقرہ کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ جو پہلے سے مشہور ہے۔

"God is love."

اس موقعہ پر اس حکائت کی طرف اشارہ کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ جو حضرت موسیٰ اور ایک گڈریے کے متعلق مولانا روم نے ذکر کیا ہے۔ جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی طرف سے یہ تنبیہ ہوئی تھی ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

سو یہ وہ گہری اور عمیق فلاسفی ہے۔ جس کو لفظ اللّٰہ ادا کرتا ہے۔ چونکہ وہ سچی محبت اور عشق بلا خالص عبادت پوری کمالیّت کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے عبادت کا مفہوم اس سے خود بخود ظاہر ہوتا ہے۔ اور بالفاظ دیگر انسانی فطرت کو یہ تعلیم ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ کے پانے کا راز اس کی سچی اور بے لوث عبادت اور پرستش میں مخفی اور پوشیدہ ہے۔ جس نے پایا اُس نے عبادت سے پایا۔ اور جس نے کھویا۔ اُس نے غفلت سستی اور بے پروائی سے کھویا۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ واعبد ربّک حتّیٰ یاتیک الیقین۔ یقین کے معنے یہاں پر وہی ہیں۔ جو لفظ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ انسانی علم کے مختلف مراتب ہیں۔ شک۔ وہم ظن۔ اعتقاد۔ علم۔ یقین۔ شک میں نفی۔ اثبات دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں۔ وہم جانب مرجوح و مغلوب کو کہتے ہیں۔ ظن جانب غالب۔ اور اعتقاد اسے کہتے ہیں۔ کہ متواتر سننے غور سے ایک بات ذہن میں جم جائے مگر ابطال مبطل سے باطل ہو سکے۔ یقین کے تین درجے ہیں (۱) علم الیقین۔ جیسے ہم نے یہ سُن کر کہ آگ جلاتی ہے۔ اس کے سوزان ہونے کا یقین کر لیا۔ (۲) جیسے ہم نے کسی کو آگ میں جلتے دیکھ کر اس کے اس اثر کی حقیقت سمجھی۔ (۳) حق الیقین۔ جیسے ہم نے خود ہاتھ ڈال کر آزما لیا۔ ایسا ہی دنیا میں انسان موجود ہیں۔ جنہیں خداوند تعالیٰ کی ہستی کے متعلق شک ہے یعنے عدم اور وجود کا خیال دونوں برابر ہیں۔ ایسے بھی انسان ہیں۔ جنہیں اس برتر ہستی کا صرف وہم کی طرح خیال ہے۔ کئی ایسے بھی ہیں۔ جنہیں غالب خیال اس کے وجود کا ہے۔ جیسے صرف نظام عالم پر مدار رکھنے والے فلاسفر۔ بہتوں کو صرف اس کی نسبت اعتقاد ہے مگر اصلی علم حاصل نہیں۔ اور اُس پیارے کی کوئی نشانی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ جنہیں اس کا کچھ پتہ ہے اُن میں سے اکثروں کو علم الیقین۔ بعضوں کو عین الیقین اور آخری درجہ اُن لوگوں کا ہے۔ جنہیں اس کا حق الیقین ہے یعنی خود انہوں نے دیکھ لیا۔ اور اس کے کھلے کھلے نشانات کو پا لیا۔ کیونکہ انسان کی اعلیٰ روحانی ترقی اسی میں ہے۔ کہ اُسے اس طرح کا شرح صدر اور انکشاف حاصل ہو۔ کہ خداوند تعالیٰ کے ارادے اور منشاء خود بخود اس کے صاف اور بے کدورت سینے پر مرقوم اور منقوش ہوں جیسے کہ خدا پاک فرماتا ہے۔ ما کان لبشرٍ ان یکلّمہ اللّٰہ الا وحیاً او من وراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء انّہ علیٌّ حکیم۔ یعنی خدا تعالیٰ کسی آدمی سے ہمکلام نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ اُس کی علو ذات کے منافی اور مخالف ہے البتہ اس کے کلام کے طریقے ہیں۔ جن سے اپنے بندوں تک اپنے ارادے اور منشاء پہنچاتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے ریاضات بدنیہ اور مجاہدات نفسانیہ سے اپنی ہستی کو مٹا دیا اور اُس کی ذات میں محو ہو گئے۔ وہ اس درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ خداوند تعالیٰ خود بلا وساطت اُن کے دلوں پر اپنے ارادوں کو منقش کرے۔ جیسے نبی۔ رسول اور اُس درجہ کے لوگ۔

دوسرے کئی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جن کی ریاضت اور مجاہدہ اور قتل النفس اس درجے تک نہیں پہنچا۔ مگر وہ

نیک، متقی اور اسی پاک راستے پر چلنے والے ہیں۔ اُن سے خداوند تعالیٰ کے مبارک تعلق کی باتیں ذرا پردے میں ہوتی ہیں یعنی خوابوں وغیرہ کے ذریعہ۔

تیسرے وہ لوگ، جو نہ تو اس قابل ہی ہوتے ہیں۔ کہ شرح صدر کامل طور پر حاصل کریں۔ اور بلاوساطت خداوند ان سے گفتگو کرے۔ اور نہ ہی یہ رتبہ اُن کو نصیب ہوا ہے کہ نیک خوابوں کے ذریعہ خداوند اپنا تعلق یا اپنے ارادے اُن پر ظاہر کرے۔ تو اُن کی طرف خدا اپنا رسول بھیجتا ہے یعنی ایسے آدمی کی معرفت ہمکلام ہوتا اور اپنا پیغام ان تک پہنچاتا ہے۔ جو اوّل درجے کے لوگوں میں سے ہو۔

سو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میرے رستے میں عبادت کرو۔ تاکہ تمہیں میری ہستی کا یقین آجائے۔ یعنی تم انسان باخدا بن جاؤ۔ جو تمہاری ہستی کا اصلی راز اور مدعا ہے۔ جو لفظ اللّٰہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اُس برتر ہستی کے وجود پر کئی ایک زبردست بھی وجدانی اور عقلی دلیلیں ہیں۔ جو خارج از مبحث سمجھ کر ترک کی جاتی ہیں پھر چونکہ اس اصلی جوش محبت کو لوگوں نے بالکل برعکس صورتوں میں بھی ظاہر کیا تھا حتیٰ کہ اس کا بیٹا بنایا گیا۔ بے جان بُتوں کو اس تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا گیا جیساکہ قرآن شریف میں ہے۔ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفا۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ غیر کی نفی بھی داخل تعلیم محبت و عبادت ہو۔ اس لئے فرمایا۔ لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی کوئی چیز بھی زمین و آسمان کے اور اُن کے درمیان قابلِ عبادت نہیں۔ مگر وہ خدا جس کی ذات ہی مجسم محبت ہے اور عشق ہے۔ سو یہ وہ تعلیم ہے جس میں یہ مختصر سا فقرہ شامل ہے۔ اور ایک نہایت ابتدائی طبعی تقاضے کو اعلیٰ کمال روحانیت تک پہنچنے کی ہدایت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں یہ بتلاؤں۔ کہ صرف لفظ لا الٰہ نے انسانی عام اخلاق پر کیا اثر کیا۔ اور اُن کی کہاں تک اصلاح کی۔ یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اخلاق کیا چیز ہیں۔ اور کون سے اخلاق انسانی اخلاق کہلا سکتے ہیں۔

عام طور پر کسی ایک انسان کا دوسرے انسان سے خندہ پیشانی، طلاقت اور منکسر المزاجی سے پیش آنا داخل اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک شیر خوار بچہ کسی کو دیکھ کر اور خصوصاً جب کوئی آدمی اُسے بلائے۔ نہایت ہشاش بشاش چہرے سے پیش آتا اور اپنے ہر ایک عضو کی حرکت سے خوشی کا اظہار کرتا ہے ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک دیوانہ اور مجنون آدمی کبھی نہایت خندہ روئی سے دوسروں کو ملتا ہے۔ مگر اُن میں سے کسی کا ایسا فعل داخل اخلاق نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اخلاق اُن تمام طبعی اور جبلّی تقاضوں کو موقع محل پر استعمال کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جو قدرت نے اُس میں ودیعت کی ہیں۔ اور جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضاء کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں۔ ان سب کا نام خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے۔ جس کو شجاعت کہتے ہیں پس جب انسان موقع اور محل کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال میں لاتا ہے۔ تو اُس کا نام بھی خلق ہے۔ ایسا ہی کبھی انسان ہاتھوں کے ذریعہ سے مظلوموں کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بھوکوں کو کچھ دینے کا ارادہ کرتا ہے۔ یا کسی اور طریق سے بنی نوع کی خدمت پر آمادہ ہوتا ہے۔ تو اُس کی حرکت کے مقابل پر اندر میں ایک قوت ہے جسے رحم بولتے ہیں۔ کبھی انسان اپنے ہاتھوں سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس قوت کے مقابلے پر دل میں ایک قوت ہے اُسے انتقام کہتے ہیں کبھی انسان ظالم کے حملہ کے مقابلہ میں حملہ کرنا نہیں چاہتا۔ اور ظالم کے ظلم سے درگذر کرتا ہے۔ اس حرکت کے مقابل میں دل میں ایک قوت ہے۔ جسے عفو یا صبر کہتے ہیں۔ کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے۔ یا دل اور دماغ سے۔ اور اُن کی بہبودی کے لئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے۔ اس حرکت کے مقابل میں دل میں ایک قوت ہے۔ جسے سخاوت کہتے ہیں۔ جب انسان تمام قوتوں کو موقع اور محل پر استعمال میں لائے۔ تو اُس وقت ان کا نام خلق رکھا جاتا ہے۔ سو ادب، حیا، دیانت، امانت، مروّت، غیرت، استقامت، عفت، زہادت، اعتدال، مواسات یعنے ہمدردی۔ شجاعت، سخاوت، صداقت، عدل، رحم، صبر، عفو، احسان، وفا، وغیرہ وغیرہ یہ تمام طبعی حالتیں ہیں جو عقل و تدبّر کے مشورے سے بر موقع و محل استعمال ہو کر اخلاقی حالتوں میں بدل سکتی ہیں۔ مگر اس کے واسطے سچے مذہب کی پیروی، نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں کی ضرورت ہے۔ جس سے طبعی جذبات اخلاقی رنگ پکڑ کر انسانی فضیلت کا موجب ہو سکیں۔ جو لوگ خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اُس سے اس کی سچی محبت حاصل کر لیتے ہیں وہ اس درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ کہ اُن کے تمام طبعی جزئیات نہایت باقاعدہ اور بترتیب جائے مناسب پر ظہور پذیر ہوں اور وہ خود اخلاق فاضلہ سے مبدّل ہو جائیں۔ کیونکہ یہ سب اخلاق خدائی صفات کے ظل اور پرتو ہیں۔ تو جو شخص خدائی رنگت میں رنگا جائے۔ اور اس کے اصلی منشاء پر اطلاع پا جائے۔ ضرور ہے۔ کہ ان صفات سے متاثر ہو۔ اور خدائی خدائی رنگ میں اس کی مخلوق سے مناسب برتاؤ کرے۔ یہ وہی حالت ہے۔ جس کی طرف حدیث تخلقوا باخلاق اللّٰہ ہدایت کرتی ہے۔ لہذا اچھے اور پاکیزہ اخلاق حاصل کرنے کے لئے یہ ہرگز کافی نہیں کہ ہم کتابوں میں لکھا ہوا پڑھ لیں۔ یا کسی سے سن لیں۔ بلکہ ضروری ہے۔ کہ ہم اُس ذات سے تعلق پیدا کریں جو ان تمام فضائل اور مکارم کا منبع اور مبداء اصلی ہے اور اس تعلق کا ذریعہ نیک تعلیم اور نیک صحبت ہے۔ تاکہ اس کی جسمانی اور روحانی دونوں اصلاحیں ایک طریق پر ہوں۔ اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے ایک بیمار کو اندر دینے کے لئے ایک دوا تجویز کی جائے۔ اور جسمانی اصلاح کے لئے اچھی آب و ہوا میں رہنے کا انتظام ضروری سمجھا جائے۔ اسی لئے خدائے پاک فرماتا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ یعنی ہم نے ان پڑھ جاہلوں میں ایک عظیم الشان جلیل القدر رسول بھیجا۔ جو پاک اصول کی تعلیم دے۔ اور اپنی نیک صحبت اور پاکیزہ نمونے سے ان کے دلوں کو پاک و صاف کر دے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسانی ترقی اور اس کے خداوند تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ایسے انسانوں کی ضرورت ہے۔ جو اپنی نیکی۔ خدادانی۔ کمالیت انسانی میں نمونہ ہوں۔ اور اس قابل ہوں۔ کہ بہت سے لوگ اُن کے حالات دیکھ کر

اور اُن کے نقش قدم پر چل کر لوگ اپنے مدعائے ہستی پر پہنچ جائیں الغرض نیک اور پاک اخلاق حاصل کرنے کے لئے صرف علم کافی نہیں جب تک ایسی صحبت نہ ہو۔ جو خود اُن کو استعمال کرکے بتائے۔ نیز ایسی تعلیم کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ جب تک معلّمین ان اخلاق کا نمونہ نہ ہوں۔ جن کی تعلیم دیتے اور دوسروں سے امید رکھتے ہیں تاریخ شاہد ہے۔ کہ جب معلمین اپنی تعلیم کا نمونہ نہیں ہوتے۔ اور جو کہتے ہیں۔ وہ دل سے نہیں کہتے۔ اس کا صرف یہ نتیجہ نہیں ہوتا۔ کہ لوگوں پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کی عزت ان کے دلوں سے اُٹھ جاتی ہے۔ اور لوگ رفتہ رفتہ دہریت کی طرف جھک جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم پہلے اخلاقی پہلو سے کمزور اور پھر دنیاوی جہت سے کمزور اور حریفوں سے پیچھے رہ کر ذلیل و خوار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اخلاق انسانی کا بڑا حصہ انسانی تعلقات اور ایک دوسرے کے معاملات سے وابستہ اور متعلق ہے جب ایک قوم کی اخلاقی حالت کمزور ہو جاتی ہے۔ تو اُس کا بنی نوع انسان سے تعلق اور رشتہ سُست اور کمزور ہو جاتا ہے۔ اور قدرت اس سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتی ہے۔ کیونکہ اس کا منشا ہے۔ کہ دنیا میں ایسے لوگوں کو وقعت ہو۔ جو صلاحیت اور اصلاح کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جیسے قرآن شریف میں ہے۔ ان الارض یرثھا من عبادی الصالحون۔ یعنی زمین میں وہ لوگ باوقعت رہ سکتے ہیں۔ جن میں صلاحیت کا مادہ ہے۔ موسوی تعلیم جب تک پہلے اصول کے مطابق رہی۔ تب تک بالکل درست اور ٹھیک رہی مگر جونہی معلّمین لگے یقولون ما لا یفعلون کا مصداق بننے۔ تو قدرت نے بھی اپنا ہاتھ اُٹھانا شروع کر دیا۔ حتّٰی کہ بے طرح ذلیل و خوار ہو کر مغضوب علیہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ہمارے بالکل موافق فطرت مذہب اسلام کی ابتدا نہایت پاکیزہ اصولوں پر ہوئی۔ جس کی قرون اولیٰ کی ترقیوں اور اقبال مندی سے زبردست شہادت ملتی ہے بعد میں جوں جوں اس پاک تعلیم اور اس کی پیروی میں فرق آنے لگا۔ لوگوں نے اسی کو اپنی خانہ جنگیوں کا معرض قرار دیا۔ تو اس سے ان کی ظاہری ترقیاں بھی رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو گئیں۔

اب سے ایک عرصہ پیشتر اس ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان صرف علم فقہ یعنی صرف چند کتابوں کی جنہیں علمائے فقہ نے چند مسائل ضروریہ پر ایک وقت کی ضرورت کے مطابق تصنیف و تالیف کیا۔ ترویج و تدوین تھی۔ مذہبی اور اصلاحی تعلیم کا تقریباً سارا مدار ان ہی کتب فقہ پر تھا۔ اور قریباً تمام مساجد اور اسلامی مدارس میں دینیات کے متعلق صرف انہی پر انحصار کیا جاتا تھا۔ اور ان ہی کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ مذہبی ہدایت کی انتہائی حد ہدایہ اور عام طور پر کنز قدوری۔ کافیہ پڑھ لیں۔ تو مُلّا ہو۔ ہر معاملہ میں فقہ کا مسئلہ ساکت و مفحم اور واجب التسلیم تھا۔ فقہ کے کسی مسئلہ سے انکار گویا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار تصور کیا جاتا تھا۔ اور واقعی جو متقیانہ اور نہایت مخلصانہ عرق ریزیاں اور جانفشانیاں اُن آئمہ اکرام اور علمائے مجتہدین سے اس مبارک علم کی ترتیب و تدوین میں عمل میں آئیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ اُن کا شکریہ عملی رنگ میں ادا کیا جاتا۔ اور ان کی کتب کی ہدایات کو جنہیں اُنہوں نے نیک نیتی سے خالصاً لوجہ اللہ محض بنی نوع انسان کی سچی اور اصلی فلاح اور بہبودی کی غرض سے جمع کیا بلا چون و چرا تسلیم کرکے دستور العمل اور معمول بہ ٹھہرایا جاوے۔ اس وقت جبکہ علمی ترقیات کا آفتاب کمال عروج پر ہے۔ اور اس کے متعلق زمانہ نے خود بخود ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں جس سے قریباً ہر ایک آدمی آسانی سے اس کے فلک الافلاک تک سیر کر سکتا ہے۔ بہت سے ایسے قوانین جو مبصران ملک سے منتخب برگزیدہ قانون دان اشخاص کی جنہوں نے عرصہ دراز قانونی مطالعہ اور اس کی پریکٹس میں صرف کیا ہو لیجسلیٹرز کے بعد پاس ہوتے ہیں ہر سال بدلتے اور ترمیم ہوتے رہتے ہیں اور ایکٹ مرمیہ کے ساتھ ایکٹ مرمہ کی کئی قیود و فقرات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ کس طرح یہ داخل ایکٹ قرار دیئے گئے تھے۔ اس کے برخلاف فقہی قوانین۔ جن کی وضع اور انضباط ایسے وقت عمل میں آئے جب اس قسم کے وسائل کم مہیا تھے۔ اس قسم کے مضبوط اور درست ہیں۔ کہ ان صورتوں میں اُن سے بہتر آج تک کوئی قانون تجویز نہیں ہو سکا۔ نیز ان پر اس معقولیت سے مدلّلانہ بحثیں کی گئی ہیں۔ کہ ان مسائل کی وضاحت میں کوئی کسر باقی نہیں رہی!

بعد میں زمانہ نے اپنا پہلو بدلا۔ اور لوگوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اس علم کے اصل ماخذ اور مستنبط عنہ سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اس لئے اس وقت صرف حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اصلی ماخذ کی حیثیت سے کافی تسلّی بخش اور اطمینان دہ خیال کیا جاتا تھا اور ہر ایک فقہی مسئلے پر حدیث کا استدلال ایک مسکت اور واجب التسلیم حکم ہوتا تھا۔ نیز عوام کے دلوں میں عام طور پر یہ مادہ پیدا ہو گیا تھا کہ اُن کی اصلی تسلّی قال قال رسول اللہ صلعم سے ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود بڑی بڑی سخت مخالفتوں کے اس خیال کو بہت جلد ترقی بلکہ پوری کامیابی ہو گئی۔ اور اس خیال والوں نے اعلیٰ انسانیت کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر زمانہ پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ ایک انسان کے سچے اور پاکیزہ اخلاق حاصل کرنے کے لئے نیک تعلیم اور پاک صحبت کی ضرورت ہے۔ جو ایک زندہ اور موجود انسان سے جسمانی طور پر حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک غائب یا پیچھے آنے والے انسان کے لئے کسی پاکباز انسان کی ذات بابرکات سے مستفید ہونے کا اگر کوئی ذریعہ ہے۔ تو فقط اُس کے حالات ہیں۔ جن سے اُس کے اخلاق و عادات کا پتہ لگے۔ جو اُس سے حین حیات میں ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ کیونکہ یہ ایک نہایت قدرتی بات ہے۔ کہ ایک آدمی کے حالات اگر وہ سچے ہوں۔ تو قریباً اُسی قسم کا اثر کرتے ہیں۔ جس قسم کا اثر اُس کی تعلیم یا صحبت سے متوقع ہو سکتا ہے۔ ایک نہایت دردمند۔ ستم رسیدہ انسان کا حال پڑھ کر انسان ضرور دردمند اور چشم پُرآب ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی سنگدل اور سخت طبیعت کیوں نہ ہو بشرطیکہ توجہ سے سُنے یا پڑھے۔ رستم و سہراب وغیرہ کے کارنامے پڑھنے سے خواہ مخواہ انسان کے دل میں جرأت و بہادری آ جاتی ہے اور اُس وقت واقعی اُس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی جنگ ہو۔ تو ضرور کچھ نہ کچھ کر گذرے۔ نپولین بونا پارٹ کے اولوالعزمانہ حالات پڑھ کر انسان کے دل میں قدرتاً عالی ہمتی اور اولوالعزمی کی روح پھونکی جاتی ہے اور کم از کم اُس وقت اُس کا یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بھی شہنشاہ بن سکتا ہوں علیٰ ہذا القیاس ایک نیک فطرت پاکیزہ اخلاق کے انسان کے حالات کی تعلیم و تدریس ہمارے روحانی حالات کو نیکی کی طرف مائل و متوجہ کرتی اور رفتہ رفتہ ایک انسان باخدا بنا دیتی ہے۔ سو رسول کریم صلعم جو اخلاقی اعلیٰ کمالیت اور روحانی پوری فضیلت کا بے مثل اور بے نظیر نمونہ تھے۔ جیسے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک لعلی